اردو مرکز لائبریری

تصویر مناظر

جلد دوم

مرتبہ اردو مرکز لاہور

پبلشرز عطر چند کپور اینڈ سنز پبلشرز انارکلی لاہور

1/—

Re 1/-

اُردو مرکز لائبریری

اُردو ادب کی گراں مایہ قدرتی نظموں کا علمی انتخاب

تصویرِ مناظر

جلد دوم

مرتّبہ

مولینا تاجور نجیب آبادی پروفیسر ڈی ایس کالج ایڈیٹر اتحادؔ

بہ اعانت

حضرات ارکین اردو مرکز لاہور

میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز پبلشرز لاہور

کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس میں باہتمام بابو گورانداس صاحب طبع ہوئی

سرور

مرغابی

ڈھل گیا دن۔ اور شبنم ہے زمیں پر قطرہ ریز
گوشہ مغرب میں گلگوں ہے شفق سے آسماں
پڑ رہی ہیں دور تک سورج کی کرنیں زرد زرد
جا رہی ہے تو اکیلی شام کو اڑتی کہاں

دیکھتا ہے کیوں عبث صیاد سوئے آسماں
یاس کی نظروں سے تیری شوکتِ پرواز کو
ارغواں زار فلک کے منظر خوش رنگ نے
کر دیا ہے اور دلکش تیرے نقشِ ناز کو

ڈھونڈتی پھرتی ہے کیا کوئی سہانا آبشار
یا کہ سرگرمِ تلاشِ دامنِ دریا ہے تو
یا کسی بحرِ تموج خیز کی ہے جستجو
یوں سکوتِ شام میں کیوں آسماں پیما ہے تو

تو جو بے سنگِ نشانِ جادہ و بے مرحلہ

کر رہی ہے آسماں پر قطعِ طبقاتِ ہوا
اُڑ سکے بے بدرقہ تو۔ یہ کہاں تیری مجال
کوئی طاقت ہے مگر تیری مقرّر رہنما

اے سُبک پرواز! تیری سُرعتِ پرواز نے
طے کئے کتنے ہی دن بھر سرد طبقاتِ نسیم
ہو کے واماندہ زمیں پہ گر نہ شہپر جوڑ کر
شب کی ظُلمت کا ہے گرچہ سر پہ طُوفان عظیم

ہو چکی تیری مشقّت ختم تجھکو عنقریب
گرمیوں کا اک سُہانا گھر ملے گا خوشگوار
گانی ہوگی چھوٹی چڑیوں میں ہم آہنگی سے تو
اور نشیمن پر ترے ہوگی نیستاں کی بہار

ہو گئی غائب فضائے آسماں میں گرچہ تو
اور اب آنکھوں میں ہے تیرا تصوّر یادگار
میں نے سیکھا ہے سبق لیکن تیری پرواز سے
ہے طریقِ زندگی میں تو میری آموزگار

منطقہ سے منطقہ تک اے سُبک پروازِ شوق
وسعتِ اوجِ فلک پر ہے جو تیرا راہبر
مجھ کو بھی لے جائیگا وہ منزلِ مقصود تک
جب کروں گا جادۂ ہستی سے میں تنہا سفر

کوئل

او چمن کی اجنبی چڑیا! کہاں تھی آہ تو
کیا کسی صحرا کے دامن میں نہاں تھی آہ تو
تیری دلکش زمزمی سے سبزہ زار دنیں خموش
آشیانہ تھا ترا گلشن میں بزم بے خروش

کھینچتی وقتِ سحر دل کو تری کو کو نہ تھی
چھاؤں میں تاروں کی محوِ نغمۂ دلجو نہ تھی
موسمِ سرما میں اے سرمایۂ صبر و شکیب
بے صدا تیرا پسِ پردہ تھا سازِ دلفریب

مرحبا اے پیکرِ پیکِ سُبک گامِ بہار
لے کے پھر تو گرمیوں میں آئی پیغامِ بہار
تو ادھر آئی فضائے گُل کا دور آیا ادھر
تو نے گائے گیت اور آموں پہ مور آیا ادھر

طائرانِ باغ نے چھیڑا ہے سازِ انبساط
تیرے مقدم میں ہیں شاخوں پہ ہم آہنگِ نشاط
پہنی ننھی ننھی کلیوں نے قبائے شبنمیں
آ رہی ہے کان میں تیری صدائے دلنشیں

کوئی انجم آسماں کا او سبک پروازِ شوق رہنما ہے کیا ترا۔ دلدادۂ اندازِ شوق
تو جو آنیوالے موسم کا نشاں پاتی ہوئی اپنی منزل پر پہنچ جاتی ہے یوں گاتی ہوئی

تیرے مقدم میں شکیبِ خاطرِ ناشاد ہیں موسمِ گل کو بھی دیتا ہوں مبارکباد میں
تو چمن میں اُڑ کے کیا آئی کہ آ پہنچی بہار گا رہی ہیں چھوٹی چڑیاں سبز کنجوں میں ملار

سوسنِ رنگیں ہیں اک دوشیزۂ گلخندا چُن رہی ہے ننھی ننھی سُرخ کلیاں خوشنما
اور تجھ سے ہم سرودِ نغمۂ اعجاز ہے بزمِ قدرت میں تیری گویا شریکِ ساز ہے

میٹھے نغمے گانیوالی او چمن کی نازنیں ہے تر و تازہ ہمیشہ تیرا کنجِ دل نشیں
اور مصفّا ہے فضائے آسماں تیرے لئے ہے شفق جامِ شرابِ ارغواں تیری لئے

تیرے نغموں میں اثر اندوہ و حرماں کا نہیں سال میں تیری گذر فصلِ زمستاں کا نہیں
مجھ کو قسّامِ ازل دیتا اگر دو بال و پر اُڑ کے ہوتا میں بھی تیری ساتھ سرگرمِ سفر

بن کے ہم دونوں رفیقِ موسمِ جوشِ بہار
کرتے خوش خوش ہر برس گلگشتِ دشت و کہسار

موسمِ گرما کا آخری گُلاب

یہ آخری گلاب کا ہے یادگار پھول
اور شاخ پر کھلا ہُوا تنہا چمن میں ہے
بیکس، غریب، فرقتِ احباب میں ملول
دھندلا سا اِک چراغِ سحر انجمن میں ہے

ہے کوئی غمگسار، نہ ہمدم کوئی قریں
بچپن کے آشنا ہیں نہ وہ خانداں کے پھول
رخصت ہوئے چمن سے رفیقانِ ہمنشیں
بکھرے پڑے ہیں خاک پہ اب گلستاں کے پھول

ننھی سی کوئی آہ کلی بھی نہیں قریب
ڈالے جو عکس پھول سے رُخ کا غریب پر
کچھ دردِ دل کا حال کہے جس سے غم نصیب
جو اس کی آہ سرد کو سُن کر ہو نوحہ گر

کُملانے دونگا تجھکو میں تنہا نہ شاخ پر
ڈر ہے نہ کنج میں تری مٹی خراب ہو
احباب سو رہے ہیں جہاں تیرے بیخبر
جا تو بھی ان کے ساتھ ہم آغوشِ خواب ہو

کب تک زباں پہ فرقتِ احباب کا گلا
اب تیری پتیاں میں بچھاتا ہوں خاک پر
ہیں محوِ خوابِ مرگ جہاں تیرے آشنا
تجھ کو بھی اُن کے ساتھ سلاتا ہوں خاک پر

رختِ سفر اٹھاؤنگا میں بھی جہاں سے جلد
احباب مجھ سے جب کہ ہو جائیں گے جُدا
چھوٹونگا مر کے ہجر کے دردِ نہاں سے جلد
تنہا کوئی جہاں میں جیا بھی تو کیا جیا

کیا لے کے کوئی آہ کرے عمرِ جاوداں
سلکِ وفا میں جب نہ رہے دُرِّ آبدار
یارانِ رفتہ کا ہے زیارت کدہ جہاں
میری بھی بیکسی کا بنے گا وہیں مزار

جب اُٹھ گئے جہان سے یارانِ زندہ دل
جی کر غمِ فراق کے صدمے سہے گا کون
کڑیاں تری اُٹھائی گوارا دردِ جاں گسل
اس غمکدہ میں آہ اکیلا رہے گا کون

شوق قدوائی

حسین لڑکی کا لڑکپن

زلفیں یہ ناگنیں سی آنکھیں یہ کالی کالی
لب گل کی پتیاں ہیں صورت ہی بھولی بھالی
نازک بدن ہے اس کا یا نخلِ گل کی ڈالی
چہرے کا رنگ دیکھو۔ کہدو کہ پھول والی

رُخ پر جو آرہی ہیں اُڑکر لٹیں ہوا سے
سرکارہی ہے ان کو کس ناز کس ادا سے

دلچسپ ہیں ادائیں لیکن یہ بے خبر خود
دلکش نظر ہے لیکن واقف نہیں نظر خود
ماتھا ہے خود شگفتہ لب پتلے پتلے تر خود
بالوں میں بن رہی ہیں گھونگر ادھر اُدھر خود

کتنا دہن ہے پیارا۔ کتنا ہی تنگ دیکھو
آنکھوں میں لال ڈورے لائی ہیں رنگ دیکھو

الجھا ہوا پڑا ہے بالوں میں ایک بندا
یہ محوِ کھیل میں ہی ہو کان کی خبر کیا

کاجل بہا ہوا ہے اسکو نہیں ہے پروا باچھوں میں جم گیا ہے کچھ رنگ پیک کا سا
چوٹی میں بندھ گئی ہیں وہ بال جو بڑے ہیں
کچھ چھوٹے چھوٹے اُڑ کر ماتھے پر آ پڑے ہیں

کیں بند دونوں آنکھیں گرد آئی جب ہوا سے جھونکا جو آیا پھیرا چہرے کو کس ادا سے
بالوں پہ جمتی ہے گرد اڑ اڑ کے جابجا سے ذرّے چمک رہے ہیں سر پر ذرا ذرا سے
کرتا کریب کا ہے جھاڑی میں اُڑ کے اٹکا
دامن پھٹا اُلجھ کر کھینچا جو دیکے جھٹکا

کُرتے کو دیکھ کر یہ پہلے تو مُسکرائی پھر کچھ جو دھیان آیا حیرت سی رُخ پہ چھائی
پوچھیگی ماں کہاں سے کُرتی کو پھاڑ لائی یہ ڈر نہیں تو چھوٹے چہرے پہ کیوں ہوائی
کُرتے کو دیکھتی ہے جھاڑی کو دیکھتی ہے
ماں سے یہ کیا کہیگی بس سوچ اسی ہی ہے

ٹلی ہے بائیں جانب اب جھاڑیوں سے کٹ کر جس راہ میں ہیں کانٹے نکلی ہے اس سے ہٹ کر
جس سمت جا رہی تھی اس سمت سے پلٹ کر اُس پیڑ کے تلے کیوں اب ہو رہی جھپٹ کر
اُس رخ کی راہ پکڑے آتا ہے بیل ادھر سے
رستے کو اُس نے کاٹا بس بیل ہی کے ڈر سے

کیوں یہ چمک کے جھجکی کیوں کوئی وہم آیا کیوں پاؤں لڑکھڑائے کیوں جسم تھرتھرایا
کیوں آسماں کو دیکھا کیوں اُس نے سر اُٹھایا کیوں رنگ ہو گیا فق کیوں دل نے خوف کھایا
چڑیاں جو اُڑ کے نکلیں آئی صدا ہوا سے
یہ ڈر گئی ہے شاید پرواز کی صدا سے

کیوں اسکے ہوش اڑائی چڑیوں کے بال و پر نے کیوں اسکے دل کو گھبرا دھمام پر کھٹر نے
صدمہ اسے دیا ہو جب خوف کی اثر نے کھائی ہو چوٹ کتنی نادان کے جگر نے

ٹن ٹن کو سُن کے اُسپر کیا کیا گذر گئی ہو
ننھے سے دل کی دھڑکن بے چین کر گئی ہو

گُندوں کو جوڑ کر وہ ٹوٹا اگن پہ شکرا پیچھے ہیں پڑ کے چیں چیں کرتی لگی ہے چڑیا
چیں چیں کو سُنکے بھاگی۔گھبرا گیا دِل اُسکا ہے ایک پاؤں میں لوٹ اور ایک پاؤں ننگا

ہوش اوڑھنی کا کِسکو، بیخودی ننگے سر ہے
آدھی بدن پہ ہی وہ۔ آدھی زمین پر ہے

اُڑتی ہے خاک سر پر کون اوڑھنی کو ڈالے بیچاری دل سنبھالے یا اوڑھنی سنبھالے
جو کچھ نہ سمجھے بوجھے جو کچھ نہ بولے چالے وہموں کو اسکے دل سے کیونکر کوئی نکالے

لڑکی کا دل ہے کتنا۔ ڈرنے کی عمر ہی ہے
یہ خوف اسکے دل سی نکلے جو زندگی ہے

ہے خوف ابھی، نہیں تو ہی منتظر نظر کیوں ہے سوچ ابھی نہیں تو تھامی ہوئی ہی سر کیوں
شاید تھکی۔ نہیں تو اب تھام لی کمر کیوں بیشک تھکی۔ نہیں تو بیٹھی نہ شجر کیوں

کِس شئے کو دیکھتی ہے ہنس ہنس کے یہ زمیں پر
پڑ جاتی ہی ہنسی سے کیسی شکن جبیں پر

سائے میں آرہی ہے پتوں سی دھوپ چھنکر بنجاتے ہیں سُنہرے کچھ پھول سے زمیں پر
کیا گل کھلا رہی ہے رفتارِ مہرِ انور یہ پھول اس سے اچھا۔ وہ پھول اس سی بہتر

چننا یہ چاہتی ہے اور جھینپ جاتی ہے پھر

چھوتی ہے انگلیوں سے اور مسکراتی ہے پھر

کیا جانیے یہ کہ سورج کیونکر ہے جلوہ افگن
ہوتا ہے عکس جنکا بن بن کے پھول روشن

یہ پھول وہ نہیں ہیں جو ہوں بہارِ گلشن
یہ پھول وہ نہیں ہیں جن سے بھرے یہ دامن

سایہ ہے اس شجر کا اسوقت گلشن اسکا
پھولوں سے کھیلتا ہے کیا کیا لڑکپن اسکا

سائے سے ہٹ کر اب یہ آنچل اٹھا رہی ہے
چھوٹی سی اوڑھنی سے سر کو چھپا رہی ہے

ننھی سی آرسی پر نظریں جما رہی ہے
خود منہ چڑھا رہی ہے خود مسکرا رہی ہے

لائی ہوا جو اپنے دامن میں گرد بھر کے
آنچل سے منہ چھپایا آنکھوں کو بند کر کے

گھنگچی کا پیڑ ہے یہ اب جسکے پاس آئی
دیکھا جو گھنگچیوں کو خوش ہو کے مسکرائی

فطرت ہی بچپنے کی سرخی جو اسکی بھائی
گھنگچی پڑی تھی کوئی جھک کر وہی اٹھائی

مینائیں لڑ پڑیں دو۔ انپر جھپٹ پڑی یہ
دونوں وہ اڑ کے چلدیں اور رہ گئی کھڑی یہ

چشمے کی راہ لی اب۔ شاید پئے گی پانی
پہنچی تو دیکھتی ہے چپ چپ مُن کھڑی رانی

عکسِ فلک کی رنگت سورج کی ضو فشانی
پانی تو ہے سنہرا۔ اور نہ ہے آسمانی

لہروں میں چلتی پھرتی سورج کی جو چمک ہے
اس سے چمک رہی ہے بجلی کا اس کو شک ہے

چشمے کے اس کنارے بگلے سفید آئے
وحشت سے دیکھتے ہیں وہ گردنیں اٹھائے

اسنے انہیں کی جانب اپنے قدم بڑھائے
جاتی ہے ہلکے ہلکے ان پر نظر جمائے

پر تولتے ہیں بگلے اُڑتے ہیں بس ابھی تو
کس شوق سے چلی یہ بچپن کا کھیل دیکھو

بگلے اُڑے تو پلٹی چشمے پہ اب کھڑی ہے   ایسی کھڑی ہے گویا اک شاخ گل گڑی ہے
مینڈک پڑا ہے شاید اس سے نظر لڑی ہے   مچھلی چمک کے اچھلی تو کیا اچھل پڑی ہے

ٹہلی دکن کی جانب سورج کا رُخ بچا کے
پیڑوں کو دیکھتی ہے گردن اُٹھا اُٹھا کے

پانی میں کچھ بطیں ہیں دیکھا ان کو ہنس کر   وہ کنکری اٹھائی پھینکیگی اب انہیں پر
پھرتی ہے کھیلتی یہ۔ گھر سے نکل کے باہر   آتی نہ یوں اکیلی شاید قریب ہے گھر

بناوٹ سے پاک ہے وہ جو چال ہے ادا ہے
وارفتگی ہے جتنی سب سن کا مقتضا ہے

آہٹ قریب پاکر مجھ پر نگاہ ڈالی   میں دیکھتا ہوں اسکو یہ بات اُس نے پالی
آنکھیں اُٹھا کے دیکھا اور پھر نظر جھکا لی   فطری حیا ہے کیسی دل کو لبھانے والی

لڑکی کی ذات ٹھہری غیرت ہے آب و گل میں
چہرے سے پھوٹ نکلی وہ شرم جو ہے دل میں

کیسی ہوئی شگفتہ بادل جو گھر کے آیا   دنیا سے دھوپ اڑائی سورج کا مُنہ چھپایا
ٹھنڈا ہوا دل اسکا سایہ جو اُس نے پایا   آنچل جھکا ہوا تھا رُخ سے اُسے ہٹایا

ماتھے پہ تھا پسینہ، پونچھا اُٹھا کے آنچل
دوہرا یا ہاتھ سے پھر۔ کاندھے پہ لا کے آنچل

بیٹھی زمین پر اب اور کھیل یہ نکالا   کچھ خاک پر بنایا پھر بگاڑ ڈالا

گیندی کے پاس آئی پھولونکو دیکھا بھالا　　وہ ایک پھول توڑا اور زور سے اُچھالا

سب نوچ نوچ پھینکیں گیندی کی پتیاں اب

چل نکلی ہے تو دیکھوں جاتی ہے یہ کہاں اب

جامن کا پیڑ وہ ہے اس پر نگاہ ڈالی　　خوشے میں جامنیں ہیں بھنبوؤں سی کالی کالی

رستے میں بہ رہی ہے چھوٹی سی ایک نالی　　آنچل کو وہ سمیٹا اور اوڑھنی سنبھالی

نالی تو کیا ہی لیکن پھاندی جو یہ اُچک کر

آنچل کا ایک کونا - تر ہو گیا لٹک کر

اب کون چیز دیکھی جس پر نظر جھکی ہے　　کیا ہے کہ سر سے لیکر یہ تا کمر جھکی ہے

چہرہ ادھر جھکا ہے گردن اُدھر جھکی ہے　　پھولوں کو مل کے گویا شاخِ شجر جھکی ہے

ہاں وہ نکل پڑے ہیں سوراخ سے تتنگے

اِک لطف ہو گئے ہیں اسکے لئے پتنگے

سیدھی کھڑی ہوئی ہے اب یہ اُٹھا کے سر کو　　دھیان آیا جامنوں کا دیکھا پھر اُس شجر کو

پھر ہلکے ہلکے ٹہلی - اور پھر چلی ادھر کو　　اب جامنوں کی جانب مائل کیا نظر کو

ایک آنکھ میری جانب ایک آنکھ پیڑ پر ہے

یہ توڑنے کا ایما - دِل چسپ کس قدر ہے

خوشہ تو جامنوں کا میں اسکو توڑ دونگا　　بھنگے سی مکھیوں کا وہ سامنے ہے چھتّا

ایسی نہیں یہ جن سے کچھ ڈنک کا ہو کھٹکا　　کیا صاف اور مزے کا ہوتا ہے شہد اُنکا

کچھ دیر کر کے دوں میں بہلے ہیں تو اچھا

کھیلے ہیں تو اچھا ٹہلے ہیں تو اچھا

بوندیں ستم کی آئیں۔ اب یہ چلی ہی گھر کو　　ایسی کہاں ملے گی محبوب شئے نظر کو
کیا کہیئے اس لڑکپن اور حُسن کے اثر کو　　دونوں نے پل کے بانٹا میرے دل و جگر کو
اے شوق دیکھو دیکھو بچپن کا طور دیکھو
دامن میں اُس نے رکھا چھینٹے کو اور دیکھو

شاکر میرٹھی

کنول کا پھول

یہ دلفریب ادائیں یہ شانِ برنائی　　یہ رنگ و بو یہ نزاکت یہ حُسن و رعنائی
سحر کو یہ رُخِ گلگوں پہ غازہ آرائی　　فضائے آب میں ہے تو طلسمِ یکتائی
شفق میں رنگ ہے۔ شعلے میں ہی ضیا تیری
نظر فریب ہے۔ ہر رنگ میں ادا تیری
شرابِ ناب سے گلگوں ہے جامِ شوق ترا　　زمانہ طالبِ شربِ مدام شوق تیرا
ہر ایک خانۂ دل میں مقامِ شوق ترا　　لبِ نسیم سحر پر پیامِ شوق تیرا
بہارِ حسن کا چھوٹا سا اک چمن ہے تو
نہیں ہے گل کوئی پھولوں کی انجمن ہی تو
تو وہ چراغ ہے جس کو فروغ آب میں ہی　　غضب کا سحر تری چشمِ نیمخواب میں ہے
عجب بہار ترے حُسن لاجواب میں ہی　　نہ یاسمن میں نزاکت نہ یہ گلاب میں ہے

ہر ایک پھول سے انداز ہے جُدا تیرا
کہ دِل نشیں ہی عجب کنج پُر فضا تیرا

بہارِ عشوہ فردوس تو ہے پانی میں — طلسمِ جلوۂ صد رنگ و بو ہے پانی میں
فروغِ رنگ مئے شعلہ خو ہے پانی میں — ہر ایک پھول کی تو آبرو ہے پانی میں

چمن میں لالہ و گل کو ہے آرزو تیری
ہوا پہ شبنمِ تر کو ہے جستجو تیری

عجب نشاط فزا ہے شرابِ ناب تیری — بلائیں لیتا ہے ہر صبح آفتاب تیری
کلیدِ حسن ہے رعنائی شباب تیری — شکیبِ عشق کا شیرازہ ہی کتاب تیری

مئے نشاط سے گلگوں ہی ہر ورق تیرا
مگر جریدۂ افسوں ہی ہر ورق تیرا

تجلّیاں ہیں تیری زیرِ آب شعلہ فروش — کہ آفتاب ہے زیرِ سحاب شعلہ فروش
فروغِ مے سے ہی حسنِ شباب شعلہ فروش — مگر ہے آب میں رنگِ شراب شعلہ فروش

ہوا میں یا ہے کوئی تو ترانۂ خاموش
فسونِ ناز کا ہے یا فسانۂ خاموش

لبِ نسیمِ سحر پر ہے گفتگو تیری — کشاں کشاں لئے پھرتی ہے جستجو تیری
ہزار دل سے ہے بھونرے کو آرزو تیری — کہ مست رکھتی ہے صہبائے مشکبو تیری

فضائے آب میں سر مست جام ہی تیرا
شہیدِ لذتِ شربِ مدام ہے تیرا

ترے چراغ پہ پروانہ وار گرتا ہے — وفورِ شوق سے بے اختیار گرتا ہے

قریب آکے ترے بار بار گرتا ہے
بلائیں لیتا ہے ہو کر نثار گرتا ہے

یہ بیخودی، یہ پروں کو تپش یہ سرعتِ شوق
ذرا سے کیڑے میں ہے کس بلا کی وسعتِ شوق

یہ جوش دردِ محبت، یہ نالہ فرسائی
یہ دھیمی دھیمی فغاں اور یہ ناشکیبائی
یہ تیرے گنج میں دِن بھر نسیم پیمائی
یہ آستاں پہ ترے شوق ناصیہ سائی

سوادِ شب میں بھی دھن ہے تری شبستاں کی
مگر تلاش کسی کے ہے حُسنِ پنہاں کی

اسیر دامِ محبت ہے مبتلا تیرا
خراب بادۂ اُلفت ہے آشنا تیرا
خدا نما ہے مگر حُسن خود نما تیرا
رگِ جنوں میں ہے نشترِ خلش فزا تیرا

جگر کا داغ ہے روشن چراغ سی تیرے
مئے ازل کا ہے طالب ایاغ سی تیرے

تیتری

یہ تیری ادائے دِلکش یہ تیری پروں کی تزئیں
تو مگر چمن کی دُلھن — اری چھوٹی تیتری ہے

یہ تیرا نقابِ گلگوں یہ تیری ردائے رنگیں
تو گلوں کی زیب و زینت تو بہار کی پری ہے

تو چمن میں محوِ گل ہے بہ ہزار دِل ربائی
کہ ہوا پہ اڑ رہا ہے کوئی نقشِ سحر و افسوں
ہے مگر عروسِ رعنا کوئی مست خود نمائی
یہ ترا پیالۂ زر یہ تری شرابِ گلگوں

کوئی لعبتِ پری رو لب جو ہے گل بداماں
کوئی محو رقصِ شعلہ ہے گلوں کی انجمن میں
زرِ گل اُڑاتی پھرتی ہے نسیم عنبر افشاں
ہے مگر شفق کا ٹکڑا کوئی جلوہ گر چمن میں

ترے روئے لالہ گوں سے ہی گلوں کا رنگ تازہ
ترا حُسن ناشکیبا ہے طلسمِ خود نمائی
ترے گورے گورے گالوں پہ ہی سُرخ سُرخ غازہ
ترے ننھے ننھے بازو ہیں فسونِ دلربائی

نہ فروغِ آتشِ گل نہ بہار رنگ و بو ہے
نہ صدائے ساز ہے تو نہ سرود عاشقانہ
نہ جگر کا داغ ہے تو۔ نہ شرار آرزو ہے
ہے بہار کا مگر تو کوئی منجمد ترانہ

بطِ مے نے ہے نکالا کوئی دلفریب شہپر
رگِ برگ گل سے اچھلا ہے مگر شرار کوئی
کوئی صید زخم خوردہ ہے تڑپ رہا زمیں پر
کہ ہوا میں اُڑ رہا ہے دلِ بے قرار کوئی

ترے ننھے ننھے ہونٹوں کو بہار چومتی ہے
ہے ترے پروں کی رنگت مے انبساط افزا
جو لچک رہی ہیں شاخیں تو نسیم جھومتی ہے
کہ تری شرابِ گلگوں ہے عجب نشاط افزا

یہ تری نظر فریبی یہ تری ادائے دلجو
یہ فضائے لالہ و گل یہ بہار سرو ریحاں
ہے چمن کی شاہزادی اری چھوٹی تیتری تو
کہ ہوا میں اُڑ رہا ہے ترا طرّہ زرافشاں

فضائے برشگال

بنا گے حسن کی دیوی عروسِ فطرت کو سجا دیا ہے گلوں نے فضا کی وسعت کو
نکیلی کلیوں کا رس چوس چوس کر بھونرے لبوں سے گھولتے ہیں شہد کی حلاوت کو

ہر اک شجر میں نئی کونپلیں نکل آئیں
سجا رہا ہے ہر اک پھول اپنی خلوت کو

زمیں پہ کرتے ہیں یوں رقص جھوم کر طاؤس
فلک پہ دیکھ کے جوشِ سحابِ رحمت کو

کہ جس طرح کوئی آوارۂ صراطِ مجاز
ہو پا کے خوش کسی پیرِ رہِ حقیقت کو

فروغ ابرِ سیہ کا ہے اس طرح جیسے
بقا نہ ہو کسی کم ظرف کی محبّت کو

زمیں پہ جھک کے برستا ہے ابر یوں جیسے
سخی جھکے کوئی وقتِ کرم سخاوت کو

جگر پہ مینہ کی بوندوں کی چوٹ کھا کھا کر
پہاڑ کرتے ہیں برداشت یوں صعوبت کو

کہ جیسے بات کو جاہل کی حق پرست کوئی
سُنے، مگر نہ کرے وا لبِ شکایت کو

نکل گئے ہیں کناروں سے چھوٹے چشمے یوں
اُچھالتے ہوئے دامن میں جوشِ رحمت کو

رہے نہ آپے میں جیسے کوئی فرومایہ
سمجھ کے مایۂ عز و غرور دولت کو

زمیں پہ گرتے ہی ابرِ لطیف کا پانی
اُتار رکھتا ہے یوں جامۂ محبّت کو

کہ جیسے قیدِ علائق میں مبتلا ہو کر
قبول روح کرے دُنیوی کثافت کو

گیاہِ سبز میں راہیں نہاں ہیں یوں جیسے
چھپائے ابرِ گنہ آفتابِ عصمت کو

زمیں ہے گرد سے یوں صاف جس طرح دل میں
جگہ نہ دے کوئی اہلِ صفا کدورت کو

رواں ہیں دامنِ صحرا میں اس طرح نالے
کہ طے کرے کوئی سالک رہِ حقیقت کو

گھٹا میں شب کو چمکتے ہیں اس طرح جگنو
سجائیں جیسے چراغاں سے بزمِ عشرت کو

نَلا رہے ہیں ہرے کھیت اس طرح دہقان
زمیں کُرید کے، پھیلا کے دستِ ہمت کو

کہ پھینک دے کوئی مرتاض جس طرح دل سے
اکھاڑ کر خس و خاشاک حرص و شہوت کو

زمینِ شور میں روئیدگی ہو ابر سے کیا
نمو نہ ہو دلِ جاہل میں فیضِ صحبت کو

دکھائی دیتے نہیں اب ستم زدہ سرخاب
کسی ندی کے کناروں پہ شامِ فرقت کو

زمیں کی گود سے نکلے ہیں اِس طرح گبرے
نئی امنگوں سے لے کر ہجوم خلقت کو
کہ جیسے دَورۂ انصاف میں کسی شہ کے
نصیب کثرتِ موفور ہو رعیّت کو
وہ چلتے چلتے مسافر ٹھہر گئے تھک کر
پہنچ سکے نہیں جو منزلِ اقامت کو
حواسِ خمسہ ٹھہر جائیں جیسے شل ہو کر
رہ طلب میں نہ سمجھیں جو رمزِ وحدت کو
نِکل کے دشت سے یوں بادِ تند کے جھونکے
اڑائے پھرتے ہیں گردوں پہ ابرِ رحمت کو
کہ خاندان میں جس طرح ناخلف اولاد
لٹائے اپنے بزرگوں کے مال و دولت کو

برکھارُت

وہ فصل عیش پرستوں کی جو ہے جانِ نشاط
پھر آرہی ہے لئے ساتھ کاروانِ نشاط
جلو میں ابرِ سیہ کے ہیں ہاتھیوں کی قطار
نشانِ برق سے گردوں پہ اُڑ رہے ہیں شرار
ہیں دلفریبیٔ قدرت کے کچھ عجب انداز
صدائے ساز ہے قرنائے رعد کی آواز
گھٹائیں دوڑ رہی ہیں ہوا میں مستانہ
رواں فلک پہ ہے گویا جلوسِ شاہانہ
کنول سے سُرخ ہیں بادل کہیں شفق آلود
گھٹا فلک پہ کہیں سُرمگیں کبود کبود
زمیں پہ جھکے پڑتے ہیں بوجھ سے بادل
کہ دوشِ ناز پہ پانی کی ہے گراں چھاگل
خرامِ ناز سے یوں چل رہی ہیں جھک جھک کے
رواں چمن میں ہو جیسے نسیم رُک رُک کر
عجیب نغمۂ دلکش سُنا رہی ہے گھٹا
کہ بین قوسِ قزح کی بجا رہی ہے گھٹا
اور اس پہ برق کا زرکش چڑھا ہوا ہے تار
قریب ہو کے گذرتی ہے مینہ کی جو بوچھار

تو پردے پردے سے دلکش صدا نکلتی ہے
غضب کی بانگِ ترنّم فزا نکلتی ہے
چمن میں سبزۂ نوخیز پھوٹ نکلا ہے
زمین پہ لوحِ زمرّد کا سب کو دھوکا ہے

گلوں کے عکس سے یوں سرخ ہے کنارِ زمین
کسی عروس کا آنچل ہو جس طرح رنگین
یہ کالی کالی گھٹائیں، یہ لطفِ منظرِ شام
ہیں سبزہ زار میں طاؤس مستِ ذوقِ خرام
لبھا رہے ہیں دلوں کو صدائے دلکش سے
زمیں پہ رقص کناں ہیں ادائے دلکش سے
برس گئے ہیں جو صحرا میں مینہ کے جھالے
نکل گئے ہیں کناروں سے دشت کے نالے
عجیب لوٹ قلموں ہے فضائے بندھیاچل
ہرا بھرا نظر آتا ہے دور تک جنگل
یہ کالی کالی گھٹائیں، یہ شب کی تاریکی
فضائے عرش میں ہے کس غضب کی تاریکی
اچھلتے اب نہیں گردوں پہ ڈوب کر تارے
فلک پہ اب کہیں آتے نہیں نظر تارے
خروشِ چرخ پہ ہے رعد کے یہ نالوں کا
دھڑک رہا ہے کلیجہ پری جمالوں کا
تلاشِ شہد میں ہیں مکھیاں سُبک پرواز
مگر مزاج میں یہ سادگی کے ہیں انداز
کہ ناچتے کہیں آتے ہیں جب نظر طاؤس
فضائے دشت میں پھیلائے بال و پرِ طاؤس
ترانے گاتی ہوئی جب قریب آتی ہیں
کنول کے پھولوں کے دھوکے میں بیٹھ جاتی ہیں

رواں ہیں کوہ کے دامن میں خوشنما جھرنے
کہ محوِ رقص ہیں پانی کے جا بجا جھرنے
بہارِ جلوۂ گل ہے جو سبزہ زاروں میں
تو دلفریبئ قدرت ہے کوہساروں میں
غضب کے روح فزا ہیں نسیم کے جھونکے
کہ موجِ آبِ بقا ہیں نسیم کے جھونکے
نہا کے مینہ کے قطروں میں جب نکھرتے ہیں
زمیں پہ ابر سے ٹکرا کے جب گذرتے ہیں

یہ کیتکی کے درختوں کے پاس آتے ہیں — تو جھوم جھوم کے ہر شاخ کو جھلاتے ہیں
فضائے دشت کا منظر ہے دید کے قابل — ادائے حسنِ گُلِ تر ہے دید کے قابل
کہیں کدم کے درختوں پہ چھا رہی ہے بہار — ہرے ہرے کسی جانب ہیں نیم کے اشجار

شمیمِ گُل سے معطر ہوا کے جھونکے ہیں
کہ موجِ بوئے گُلِ تر ہوا کے جھونکے ہیں

یہ اودی اودی گھٹائیں یہ جوشِ ابرِ بہار — سکوتِ شام میں قوسِ قزح کے نقش و نگار
کدم کے پھولوں کے دلکش کہیں مناظر ہیں — تو کیتکی کے کہیں دلربا مظاہر ہیں
عجب بہار کا عالم ہے انبساطِ فزا — کہ لب پہ دشت کے ہے خندۂ نشاط فزا

نہ وہ تپش ہے، نہ خورشید کی تمازت ہے
نسیم سرد میں جاں بخش اب لطافت ہے

ہر اک روش پہ ہے جمگھٹ پری جمالوں کا — عجب بناؤ ہے پھولوں کے گہنے والوں کا
چمن میں کرتی ہیں سب صُبحدم گُل افشانی — لچک لچک کے ہیں پودوں کو دے رہیں پانی
ٹپک رہا ہے پسینہ کنول کے گالوں سے — تھکاوٹیں ہیں عیاں دھیمی دھیمی چالوں سے
جھکے ہوئے تھے جو پانی کے بوجھ سے بادل — وہ بڑھ کے آ گئے ہیں اب قریب بندھیاچل
یہ رُت جو دل لئے جاتی ہے نازنینوں کے — ہیں جس میں عشوہ و انداز مہ جبینوں کے
یہ رُت جو جانِ لطافت شجر شجر کی ہے — یہ رُت جو روح و رواں قالب بشر کی ہے
یہ رُت مدار ہے جس پر نظامِ ہستی کا — یہ رُت کہ کیف ہے جس میں فروغ ہستی کا

یہ رُت سہانی مُبارک ہو تجھ کو او پیاری!
ہر ایک سال کرے تیرے ساتھ غمخواری

اسمٰعیل

صُبح کی آمد

خبر دن کے آنے کی مَیں لا رہی ہوں اُجالا زمانہ مَیں پھیلا رہی ہوں
بہار اپنی مشرق سے دکھلا رہی ہوں پکارے گلے صاف چلّا رہی ہوں
اُٹھو سونے والو کہ مَیں آ رہی ہوں

مَیں سب کاربہوار کے ساتھ آئی مَیں رفتار و گفتار کے ساتھ آئی
مَیں باجوں کی جھنکار کے ساتھ آئی مَیں چڑیوں کی چہکار کے ساتھ آئی
اُٹھو سونے والو کہ مَیں آ رہی ہوں

اذاں پر اذاں مرغ دینے لگا ہے خوشی سے ہر اک جانور بولتا ہے
درختوں کے اوپر عجب چہچہا ہے سُہانا ہے وقت اور ٹھنڈی ہوا ہے
اُٹھو سونے والو کہ مَیں آ رہی ہوں

یہ چڑیاں جو پیڑوں پہ ہیں غُل مچاتی اِدھر سے اُدھر اڑ کے ہیں آتی جاتی
دُموں کو ہلاتی پروں کو پھُلاتی میری آمد آمد کے ہیں گیت گاتی
اُٹھو سونے والو کہ مَیں آ رہی ہوں

جو طوطے نے باغوں میں ٹیں ٹیں مچائی تو بلبل بھی گلشن میں ہے چہچہائی
اور اونچی منڈیروں پہ شاما بھی گائی میں سو سو طرح دے رہی ہوں دُہائی
اُٹھو سونے والو کہ مَیں آ رہی ہوں

ہر ایک باغ کو مَیں نے مہکا دیا ہے نسیم اور صبا کو بھی لہکا دیا ہے
چمن سُرخ پھولوں سے دہکا دیا ہے مگر نیند نے تم کو بہکا دیا ہے

اُٹھو سونے والو کہ مَیں آ رہی ہوں

ہوئی مجھ سے رونق پہاڑ اور بَن میں ہر اک ملک میں دیس میں ہر وطن میں
کِھلاتی ہوئی پھول آئی چمن میں بُجھاتی چلی شمع کو انجمن میں

اُٹھو سونے والو کہ مَیں آ رہی ہوں

جو اِس وقت جنگل میں بوٹی جڑی ہے سو وہ نولکھا ہار پہنے کھڑی ہے
کہ پچھلے کی ٹھنڈک سے شبنم پڑی ہے عجب یہ سماں ہے عجب یہ گھڑی ہے

اُٹھو سونے والو کہ مَیں آ رہی ہوں

ہرن چونک اُٹھے چوکڑی بھر رہے ہیں کُلبلیں ہرے کھیت میں کر رہے ہیں
ندی کے کنارے کھڑے چر رہے ہیں غرض میرے جلوہ پہ سب مر رہے ہیں

اُٹھو سونے والو کہ مَیں آ رہی ہوں

مَیں تاروں کی چھاں آن پہنچی یہاں تک زمیں سے ہے جلوہ مِرا آسماں تک
مجھے پاؤ گے دیکھتے ہو جہاں تک کرو گے بھلا کاہلی تم کہاں تک

اُٹھو سونے والو کہ مَیں آ رہی ہوں

پُوجاری کو مندر کے مَیں نے جگایا مؤذّن کو مسجد کے مَیں نے اُٹھایا
بھٹکتے مسافر کو رستہ بتایا اندھیرا گھٹایا۔ اُجالا بڑھایا

اُٹھو سونے والو کہ مَیں آ رہی ہوں

لدے قافلوں کے بھی منزل میں ڈیرے کسانوں کے ہل چل پڑے مُنہ اندھیرے

چلے جال کندھوں پہ لے کر مچھیرے ولدر ہوئے دور آنے سے میرے
اُٹھو سونے والو کہ مَیں آرہی ہوں

بِگل اور طنبور سنکھ اور نوبت بجانے لگے اپنی اپنی سبھی گت
چلی توپ بھی دن سے حضرت سلامت نہیں خوب غفلت نہیں خوب غفلت
اُٹھو سونے والو کہ مَیں آرہی ہوں

لو ہُشیار ہو جاؤ اور آنکھ کھولو نہ لو کروٹیں اور نہ بستر ٹٹولو
خدا کو کرو یاد اور منہ سے بولو بس اب خیر سے اُٹھ کے مُنہ ہاتھ دھولو
اُٹھو سونے والو کہ مَیں آرہی ہوں

بڑی دھوم سے آئی میری سواری جہاں میں ہوا اب مرا حکم جاری
ستارے چھپے رات اندھیری سدھاری دکھائی دئیے باغ اور کھیت کیاری
اُٹھو سونے والو کہ مَیں آرہی ہوں

مَیں پورب سے پچھم پہ کرتی ہوں دھاوا زمیں کے کُرہ تک لگاتی ہوں کاوا
مَیں طے کرکے آئی ہوں چین اور جاوہ نہیں کہتی کچھ تم سے اس کے علاوہ
اُٹھو سونے والو کہ مَیں آرہی ہوں

بادِ مراد

چل اے بادِ بہاری سمتِ گلزار تمنائی ہے تیرا ہر گُل و خار
نہال و نخل و سبزہ سب ہیں سُنساں گیاہِ مُردہ میں تو ڈال دے جاں

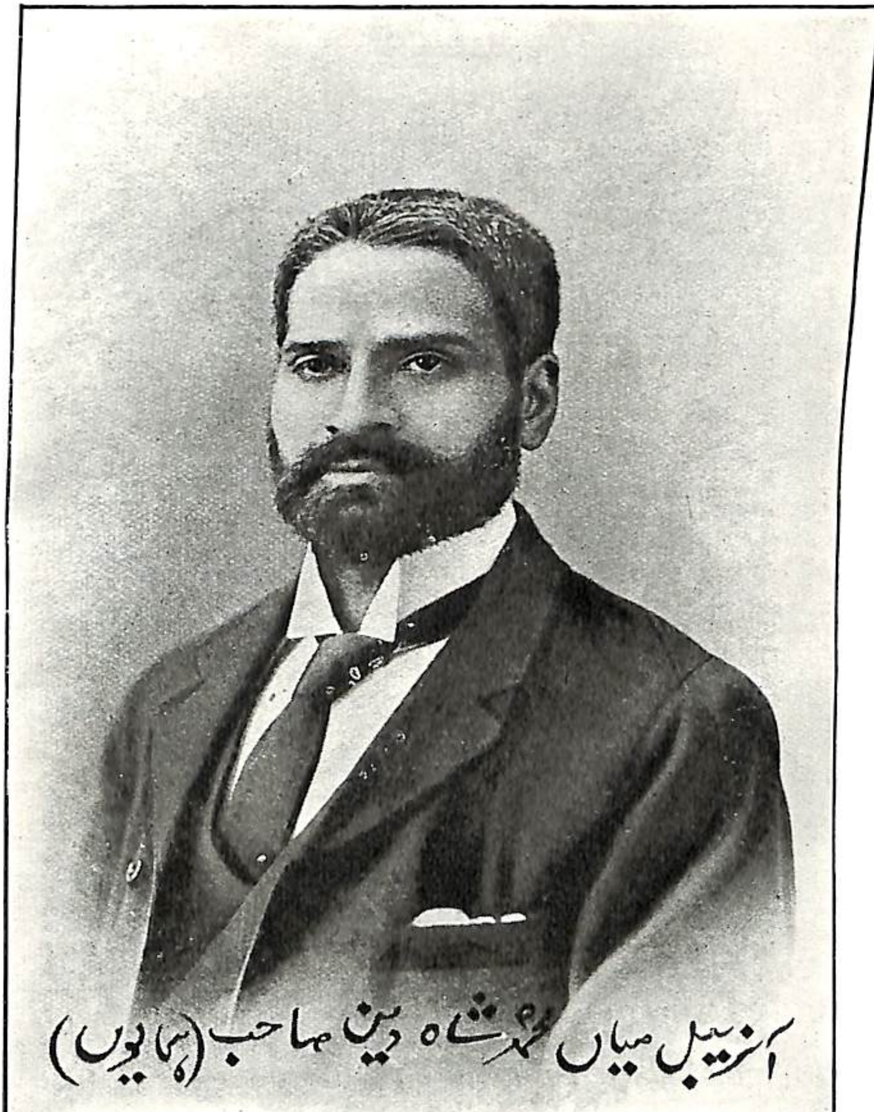
نہیں گلشن میں پتّے کا بھی کھڑکا — ذرا شاخیں ہِلا۔ طائر کو بھڑکا
لہک تیزی سے اے بادِ بہاری — کہ ہو جائے چمن پر وجد طاری
جو تو لہکے تو سبزہ لہلہائے — چمن کا بیل بوٹا سر ہلائے
لچک جائے کمر نازک شجر کی — زمیں پر جھک پڑے ڈالی ثمر کی
ٹپک جائے جو ہو پکا ہُوا پھل — کہ شاخیں ہو رہی ہیں سخت بوجھل
سُنا بادِ صبا! کیا کیا خبر ہے — قلمرو میں تیری کل بحر و بر ہے
ذرا کر دامنِ صحرا میں راحت — بہت کی تو نے دریا کی سیاحت
بس اب آرام کر لو گو نکے گھر میں — رہی تا دیر تو سیر و سفر میں
تیرے ہمراہ چلے آتے ہیں پیہم — یہی ہیں کیا سفیر بحرِ اعظم
جلو میں ہے ترے اک فوج جرّار — تو ہی ہے ابر کے لشکر کی سردار
اٹھایا ہے سمندر تو نے سر پر — گھٹا کو لاد کر لائی کمر پر
کرا اے بادِ مراد آہنگ آفاق — جہاز سُست رو ہے تیز اشتاق
پھریرے کو اُڑا کس بادباں کو — کہ دیکھیں ساحلِ ہندوستاں کو
خلیج و ابنائے و بحر و ساحل — تیرے دیکھے پڑے ہیں سب مراحل
مقامِ استوا سے تا بہ قطبین — تجھے جنبش نہیں دیتی کبھی چین
بہت کھوندے ہیں کوہ و دشت تو نے — کیا بحرین کا گلگشت تو نے
لطیف و نازک و بےرنگ ہے تو — اصولِ نغمہ و آہنگ ہے تو
زباں کو نطق کا یارا ہے تجھ سے — جہاں میں شور و شر سارا ہے تجھ سے
حجابِ دیدۂ بینا نہیں تو — نگہ سے گرچہ ہے پردہ نشیں تو

تو ہی ہے لے نسیمِ صبح گاہی   مثالِ رحمتِ عامِ الٰہی
جہاں میں ہیں ترے الطاف جاری   غریبوں اور امیروں پر مساوی
کبھی بنتی ہے ایسی تند پرشور   معاذ اللہ۔ معاذ اللہ! ترا زور
اگر تو خشمگیں اے تند خو ہو   تہ و بالا۔ جہازِ جنگ جو ہو
کبھی دریا میں لے جائے بہاکر   کبھی ساحل پہ دے پٹکے اُٹھاکر
اُڑاتی ہے اُسے تو راہ بے راہ   جہاز آگے ترے مثلِ پرِ کاہ
معاذ اللہ ترا طوفاں غضب ہے   تری تیزی نشانِ قہرِ رب ہے
اُجاڑا تو نے گلزار و چمن کو   ہلا ڈالا ہے جنگل اور بن کو
یہ چھیڑا نے میں کیسا راگ تو نے   نیستاں میں لگا دی آگ تو نے
تری رفتار ہے بے باک کیسی   اُڑاتی ہے زمیں کی خاک کیسی
خوشامد تیری خصلت میں نہیں ہے   تری تیزی برابر ہر کہیں ہے
اُجاڑا اگر کسی مفلس کا چھپّر   اُکھاڑا خیمہ و خرگاہِ لشکر
نہ در گذرے غریبوں کے مکاں سے   نہ جھجکے طرّۂ تاجِ شہاں سے
نہیں کچھ تجھ کو خوفِ شانِ سلطاں   اُڑایا پردۂ ایوانِ سلطاں
کسی کا طرّۂ طرّار چھیڑا   کسی کا برقعۂ زرتار چھیڑا

غرض دلچسپ تیری ہر ادا ہے
تیری شوخی و چالاکی بجا ہے

بارش کا پہلا قطرہ

گھنگھور گھٹا تُلی کھڑی تھی — پر بوند ابھی نہیں پڑی تھی
ہر قطرہ کے دل میں تھا یہ خطرہ — ناچیز ہوں میں غریب قطرہ
تر مجھ سے کسی کا لب نہ ہوگا — میں اور کی گوں نہ آپ جوگا
کیا کھیت کی میں بجھاؤں گا پیاس — اپنا ہی کروں گا ستیاناس
آتی ہے برسنے سے مجھے شرم — مٹی پتھر تمام ہیں گرم
خالی ہاتھوں سے کیا سخاوت — پھیکی باتوں میں کیا حلاوت
کس برتے پہ میں کروں دلیری — میں کون ہوں کیا بساط میری
ہر قطرہ کے دل میں تھا یہی غم — سرگوشیاں ہو رہی تھیں باہم
کھچڑی سی گھٹا میں پک رہی تھی — کچھ کچھ بجلی چمک رہی تھی
اک قطرہ کہ تھا بڑا دلاور — ہمت کے محیط کا شناور
فیاض و جواد و نیک نیت — بھڑکی اس کی رگِ حمیت
بولا للکار کر کہ آؤ — میرے پیچھے قدم بڑھاؤ
کر گزرو جو ہو سکے کچھ احساں — ڈالو مردہ زمین میں جاں
یارو! یہ ہچر مچر کہاں تک — اپنی سی کرو بنے جہاں تک
مل کر جو کرو گے جانفشانی — میدان پہ پھیر دو گے پانی
کہتا ہوں یہ سب سے برملا میں — آتے ہو تو آؤ لو چلا میں
یہ کہہ کے وہ ہو گیا روانہ — "دشوار ہے جی پہ کھیل جانا



آنریبل میاں محمد شاہ دین صاحب (ہمایوں)

ہر چند کہ وہ تھا بے بضاعت
کی اُس نے مگر بڑی شجاعت

دیکھی جراٴت جو اُس سخی کی
دو چار نے اور پیروی کی

پھر ایک کے بعد ایک ٹپکا
قطرہ قطرہ زمیں پہ ٹپکا

آخر قطروں کا بندھ گیا تار
بارش لگی ہونے موسلادھار

پانی پانی ہوا بیاباں
سیراب ہوئے چمن خیاباں

تھی قحط سے پائمال خلقت
اُس مینہ سے ہوئی نہال خلقت

ہمایوں
چمن کی سیر

غنچوں نے چٹکیوں میں میرا دل لُبھا لیا
اے باغباں چمن میں ترے کیا بہار ہے

لالہ ہے یا کہ حُسن کا روشن ہے اک دیا
اُڑتی ہے بو کہ کوئی ختن کا سوار ہے

ہنگامِ صبح سیرِ گلستاں لباخوش است
بر شاخِ سبز بلبلِ شیریں نوا خوش است

سبزے کا ہے زمیں پہ بچھا فرشِ مخملی
اور اس پہ ہیں چمک رہی پھولوں کی کیاریاں

جا پانیوں نے گویا بسحرِ ہنروری
فیروزہ پر عقیق سے کیں میناکاریاں

اے آسماں بگو بہ ملائک کہ دیدہ اند؟

منظر چنیں بہ خلد بریں یا شنیدہ اند؟

کس ناز کس ادا سے اُٹھی ہے نسیم ہائے
آفت کی شوخی اور قیامت کی چال ہے

کہہ دو کہ بلبلوں کو نہ اب باغباں ستائے
شاخِ شجر تک آج چمن میں نہال ہے

مانند گل ز فیضِ صبا تازہ شد دلم
بادہ خورم بیادِ گل و غم غلط کنم

نہروں میں کس صفائی سے بہتا ہے آب صاف
آئینے ہیں یہ سرو صنوبر کے واسطے

ہر لہر کی زبان سے یہ کہتا ہے آب صاف
روح رواں ہوں میں ہی گلِ تر کے واسطے

چیزے کز و حیات شود بہر و رہنم
در ابر جلوہ من و در ہر شجر منم

خوشیوں کے گیت گاتے ہیں سب طائرانِ باغ
شاخوں پہ پھول مستوں کی صورت ہیں جھومتے

محوِ زیارت آج ہیں کیا زائرانِ باغ
اور جھک کے پاؤں شاہدِ گل کے ہیں چومتے

گُل گفت بس خوش آمدم اینک نوائے تو
بُلبل جواب داد۔ کہ جانم فدائے تو

کالی گھٹا چمن میں ہر اک سمت چھا گئی
موجِ ہوا پہ جھومنے لگی لینے بُوئے گُل

پھر آ کے اُن کے کان میں کچھ جو سُنا گئی
اُڑ اُڑ کے بُلبلیں چلی جاتی ہیں سوئے گُل

از قاصدِ صبا چہ حکایت شنیدۂ
از من چرا تو بُلبلِ شیدا پریدۂ

بجلی چمک کے چھپ گئی پھر کیوں سحاب میں
کیا کوئی دیدِ حُسن کے لائق نہ تھا یہاں

کب تک چھپے گا چہرہ یہ آخر نقاب میں
لو یک بیک پھر آپ کا جلوہ ہوا عیاں

حقّا کہ برق حسن جبیناں شنیدہ ایم
ایں نور شعلۂ رخِ رخشاں نہ دیدہ ایم

بجلی نہیں تجلّیِ یزداں ہے ابر میں — اور یہ بھی محض عکس ہے اس کے ظہور کا
جلوہ اسی کا ظاہر و پنہاں ہے ابر میں — صد برق ایک قطرہ ہے دریائے نور کا

اے! آفتاب ذرۂ مہرِ ضیائے تو
گستاخیِ تمام شد عزمِ ثنائے تو

بارش کی بوندیں گرنے لگیں آسمان سے — اے خضر! عطر دیکھ لے آبِ حیات کا
ہیرے نکل رہے ہیں یہ بادل کی کان سے — تاروں کی طرح چمکے سماں موجودات کا

اے ابر بر تو رحمتِ پروردگار باد
وز تو بکوہ و دشت ہمیشہ بہار باد

بادل ہو گُل ہو باغ ہو بلبل ہو شاخ پہ — ہو حرزِ جان و راحتِ دل میری ایک شے
قدرت کی خوبیوں پہ ہمیشہ رہے نظر — بس زندگی کا لطف ہمایوں اسی میں ہے

خوش باش اے چمن کہ مرا شاد کردۂ
ویرانہ بود خاطرم — آباد کردۂ

اعجاز دیکھ تو سہی یاں کیا سماں ہے آج — نیرنگ آسمان و زمیں کا نیا ہے رنگ
اقبالؔ تیری سحر بیانی کہاں ہے آج — ناظرؔ گمانِ فکر سے مار ایک دو خدنگ

از نغمہ ہائے دلکش ایں چار یارِ ما
پنجاب خوش نوا ست ہمایوںؔ یارِ ما

اقبال

کوہستان ہمالہ

اے ہمالہ اے فصیل کشورِ ہندوستاں
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں
تجھ پہ کچھ ظاہر نہیں دیرینہ روزی کے نشاں
تو جواں ہے دورۂ شام و سحر کے درمیاں
تیری ہستی پر نہیں بادِ تغیّر کا اثر
خندہ زن ہے تیری شوکت گردشِ ایّام پر

امتحانِ دیدۂ ظاہر میں کوہستاں ہے تو
پاسباں اپنا ہے تو دیوارِ ہندوستاں ہے تو
سوئے خلوت گاہِ دل دامن کشِ انساں ہے تو
مطلع اول فلک جسکا ہو وہ دیواں ہے تو
برف نے باندھی ہے دستارِ فضیلت تیرے سر
خندہ زن ہے جو کلاہِ مہرِ عالمتاب پر

سلسلہ تیرا ہے یا بحرِ بلندی موجزن
رقص کرتی ہے مزے سے جسپہ سورج کی کرن
تیری ہر چوٹی کا دامانِ فلک میں ہے وطن
چشمۂ دامن میں رہتی ہے مگر پرتو فگن
چشمۂ دامن ہے یا آئینۂ سیّال ہے
دامنِ موجِ ہوا جس کے لئے رومال ہے

ابر کے ہاتھوں میں رہوارِ ہوا کیواسطے
تازیانہ دیدیا برقِ سرِ کوہسار نے
اے ہمالہ کوئی بازیگاہ ہے تو بھی جسے
دستِ قدرت نے بنایا ہے عناصر کیلئے
ہائے کیا جوشِ مسرّت میں اڑا جاتا ہے ابر

فیلِ بے زنجیر کی صورت چلا جاتا ہے ابر

جنبشِ موجِ نسیمِ صبح گہوارہ بنی
جھومتی ہے کیا مزے لے لیکے ہر گُل کی کلی

یوں زبانِ برگ سے کہتی ہے اُسکی خامشی
دستِ گلچیں کی جھٹک مینے نہیں دیکھی کبھی

کہہ رہی ہے میری خاموشی ہی افسانہ مرا
کُنجِ قدرت خانۂ قدرت ہے کاشانہ مرا

نہر چلتی ہے سرودِ خامشی گاتی ہوئی
آئینہ سا شاہدِ قدرت کو دکھلاتی ہوئی

کوثر و تسنیم کی مانند لہراتی ہوئی
ناز کرتی ہے فرازِ راہ سے جاتی ہوئی

چھیڑتا جا اِس عراقِ دل نشیں کے ساز کو
اے مسافر دل سمجھتا ہے تری آواز کو

لیلیٔ شب کھولتی ہے آکے جب زُلفِ رسا
دامنِ دل کھینچتی ہے آبشاروں کی صدا

وہ خموشی شام کی جس پر تکلّم ہو فدا
وہ درختوں پر تفکر کا سماں چھایا ہوا

کانپتا پھرتا ہے کیا رنگِ شفق کہسار پر
خوشنما لگتا ہے یہ غازہ ترے رخسار پر

وہ اچھالی پنجۂ قدرت نے گیند اک نور کی
جھانکتا ہے وہ درختوں کے پرے خورشید بھی

دل لگی کرتی ہے ہر پتے سے جسکی روشنی
میرے کانوں میں صدا آئی مگر کچھ دور کی

دِل کی تاریکی میں وہ خورشید جاں افروز ہے
شمعِ ہستی جس کی کرنوں سے ضیا اندوز ہے

وہ اصولِ حق نمائے نقشِ ہستی کی صدا
روح کو ملتی ہے جس سے لذّتِ آبِ بقا

جس سے پردہ روئے قانونِ محبّت کا اُٹھا
جس نے انسان کو دیا رازِ حقیقت کا پتا

تیرے دامن کی ہوا میں سے اُگا تھا وہ شجر
بیج جس کی ہند میں ہے چین و جاپاں میں ثمر

تُو تو ہے مدت سے اپنی سرزمیں کا آشنا کچھ بتا ان رازدانانِ حقیقت کا پتا
تیری خاموشی میں ہے عہدِ سلف کا ماجرا تیرے ہر ذرّے میں ہے کوہِ المپس کی فضا

ایک جلوہ تھا کلیمِ طورِ سینا کے لئے
تو تجلّی ہے سراپا چشمِ بینا کے لئے

اے ہمالہ داستاں اُسوقت کی کوئی سُنا مسکنِ آبائے انساں جب بنا دامن ترا
کچھ بتا اس سیدھی سادی زندگی کا ماجرا داغ جس پر غازۂ رنگِ تکلّف کا نہ تھا

ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایّام تو

آنکھ اے دل کھول اور نظارۂ قدرت کو دیکھ اِس فضا کو اِس گل و گلزار کی رنگت کو دیکھ
اپنی پستی دیکھ اور اس کوہ کی رفعت کو دیکھ اِس خموشی میں سرورِ گوشۂ عزلت کو دیکھ

شاہدِ مطلب ملے جس سے وہ ساماں ہے یہی
دردِ دل جاتا ہے جس سے وہ درماں ہے یہی

گُلِ رنگیں

تو شناسائے خراشِ عقدۂ مشکل نہیں اے گُلِ رنگیں ترے پہلو میں شاید دل نہیں
زیبِ محفل ہے شریکِ شورشِ محفل نہیں یہ فراغت بزمِ ہستی میں مجھے حاصل نہیں

اس چمن میں میں سراپا سوز و سازِ آرزو
اور تیری زندگانی بے گدازِ آرزو

توڑ لینا شاخ سے تجھ کو مرا آئیں نہیں　　یہ نظر غیر از نگاہِ چشمِ صورت بیں نہیں
آہ! یہ دستِ جفا جو اے گلِ رنگیں نہیں　　کس طرح تجھ کو یہ سمجھاؤں کہ میں گلچیں نہیں

کام مجھ کو دیدۂ حکمت کے الجھیڑوں سے کیا
دیدۂ بلبل سے میں کرتا ہوں نظّارہ ترا

سو زبانوں پر بھی خاموشی تجھے منظور ہے　　راز وہ کیا ہے ترے سینے میں جو مستور ہے
میری صورت تو بھی اک برگِ ریاضِ طور ہے　　میں چمن سے دور ہوں تو بھی چمن سے دور ہے

مطمئن ہے تو، پریشاں مثلِ بو رہتا ہوں میں
زخمیِ شمشیرِ ذوقِ جستجو رہتا ہوں میں

یہ پریشانی مری سامانِ جمعیّت نہ ہو!　　یہ جگر سوزی چراغِ خانۂ حکمت نہ ہو!
ناتوانی ہی مری سرمایۂ قوّت نہ ہو!　　رشکِ جامِ جم مرا آئینۂ حیرت نہ ہو!

یہ تلاشِ متّصل شمعِ جہاں افروز ہے
توسنِ ادراکِ انساں کو خرام آموز ہے

ابرِ کوہسار

ہے بلندی سے فلک بوس نشیمن میرا　　ابرِ کہسار ہوں گل پاش ہے دامن میرا
کبھی صحرا کبھی گلزار ہے مسکن میرا　　شہر و ویرانہ مرا، بحر مرا، بن میرا

کسی وادی میں جو منظور ہو سونا مجھ کو
سبزۂ کوہ ہے مخمل کا بچھونا مجھ کو

مجھ کو قدرت نے سکھایا ہے دُرافشاں ہونا ناقۂ شاہدِ رحمت کا حُدی خواں ہونا
غم زدائے دلِ افسردۂ دہقاں ہونا رونقِ بزمِ جوانانِ گلستاں ہونا

بن کے گیسو رخِ ہستی پہ بکھر جاتا ہوں
شانۂ موجۂ صرصر سے سنور جاتا ہوں

دور سے دیدۂ امید کو ترساتا ہوں کسی بستی سے جو خاموش گذر جاتا ہوں
سیر کرتا ہوا جس دم لبِ جُو آتا ہوں بالیاں نہر کو گرداب کی پہناتا ہوں

سبزۂ مزرعِ نوخیز کی امید ہوں میں
زادۂ بحر ہوں پروردۂ خورشید ہوں میں

چشمۂ کوہ کو دی شورشِ قُلزم میں نے اور پرندوں کو کیا محوِ ترنّم میں نے
سر پہ سبزہ کے کھڑے ہو کے کہا قُم میں نے غنچۂ گل کو دیا ذوقِ تبسّم میں نے

فیض سے میرے نمونے ہیں شبستانوں کے
جھونپڑے دامنِ کہسار میں دہقانوں کے

("بانگ درا")

آفتاب

(ترجمہ گایتری)

اے آفتاب! روحِ روانِ جہاں ہے تو شیرازہ بندِ دفترِ کون و مکاں ہے تو

باعث ہے تو وجود و عدم کی نمود کا
ہے سبز تیرے دم سے چمن ہست و بود کا

قایم یہ عنصروں کا تماشا تجھی سے ہے
ہر شے میں زندگی کا تقاضا تجھی سے ہے

ہر شے کو تیری جلوہ گری سے ثبات ہے
تیرا یہ سوز و ساز سراپا حیات ہے

وہ آفتاب جس سے زمانے میں نور ہے
دل ہے، خرد ہے، روحِ رواں ہے، شعور ہے

اے آفتاب! ہم کو ضیائے شعور دے
چشمِ خرد کو اپنی تجلّی سے نور دے

ہے محفلِ وجود کا ساماں طراز تو
یزدانِ ساکنانِ نشیب و فراز تو

تیرا کمال ہستیٔ ہر جان دار میں
تیری نمود سلسلۂ کوہسار میں

ہر چیز کی حیات کا پروردگار تو
زائیدگانِ نور کا ہے تاجدار تو

نے ابتدا کوئی نہ کوئی انتہا تری
آزادِ قیدِ اول و آخر ضیا تری

(بانگ درا)

آفتابِ صُبح

شورشِ میخانۂ انساں سے بالاتر ہے تو
زینتِ بزمِ فلک ہو جس سے وہ ساغر ہے تو

ہو دُرِ گوشِ عروسِ صبح وہ گوہر ہے تو
جس پہ سیمائے اُفق نازاں ہو وہ زیور ہے تو

صفحۂ ایام سے داغِ مدادِ شب مٹا!
آسماں سے نقشِ باطل کی طرح کوکب مٹا!

حسن تیرا جب ہوا بامِ فلک سے جلوہ گر
آنکھ سے اُڑتا ہے یکدم خواب کی مے کا اثر

نور سے معمور ہو جاتا ہے دامانِ نظر
کھولتی ہے چشمِ ظاہر کو ضیا تیری مگر

ڈھونڈتی ہیں جس کو آنکھیں وہ تماشا چاہیئے
چشمِ باطن جس سے کھل جائے وہ جلوا چاہیئے

شوقِ آزادی کے دنیا میں نہ نکلے حوصلے　　زندگی بھر قیدِ زنجیرِ تعلق میں رہے
زیر و بالا ایک ہیں تیری نگاہوں کیلئے　　آرزو ہے کچھ اسی چشمِ تماشا کی مجھے

آنکھ میری اور کے غم میں سرشک آباد ہو!
امتیازِ ملّت و آئیں سے دل آزاد ہو!

بستۂ رنگِ خصوصیت نہ ہو میری زباں　　نوعِ انساں قوم ہو میری، وطن میرا جہاں
دیدۂ باطن پہ رازِ نظمِ قدرت ہو عیاں　　ہو شناسائے فلک شمعِ تخیّل کا دھواں

عقدۂ اضداد کی کاوش نہ تڑپائے مجھے
حسنِ عشق انگیز ہر شے میں نظر آئے مجھے

صدمہ آجائے ہوا سے گل کی پتی کو اگر　　اشک بن کر میری آنکھوں سے ٹپک جائے اثر
دل میں ہو سوزِ محبت کا وہ چھوٹا سا شرر　　نور سے جس کے ملے رازِ حقیقت کی خبر

شاہدِ قدرت کا آئینہ ہو دل میرا نہ ہو!
سر میں جز ہمدردیِ انساں کوئی سودا نہ ہو!

تو اگر زحمت کشِ ہنگامۂ عالم نہیں　　یہ فضیلت کا نشاں اے نیرِ اعظم نہیں
اپنے حسنِ عالم آرا سے جو تو محرم نہیں　　ہمسرِ یک ذرۂ خاکِ درِ آدم نہیں

نورِ مسجودِ ملک گرمِ تماشا ہی رہا
اور تو منّت پذیرِ صبحِ فردا ہی رہا

آرزو نورِ حقیقت کی ہمارے دل میں ہے　　لیلیٰ ذوقِ طلب کا گھر اسی محمل میں ہے

کس قدر لذّت کشودِ عقدۂ مشکل میں ہے
لطف صد حاصل ہماری سعیِ بیحاصل میں ہے
دردِ استفہام سے واقف ترا پہلو نہیں
جستجوئے رازِ قدرت کا شناسا تو نہیں

("بانگ درا")

گلِ پژمردہ

کس زباں سے اے گلِ پژمردہ تجھ کو گل کہوں؟
کس طرح تجھ کو تمنائے دلِ بلبل کہوں؟
تھی کبھی موجِ صبا گہوارۂ جنباں ترا
نام تھا صحنِ گلستاں میں گلِ خنداں ترا
تیرے احساں کا نسیمِ صبح کو اقرار تھا
باغ تیرے دم سے گویا طبلۂ عطار تھا
تجھ پہ برساتا ہے شبنم دیدۂ گریاں مرا
ہے نہاں تیری اداسی میں دلِ ویراں مرا
میری بربادی کی ہے چھوٹی سی اک تصویر تو
خواب میری زندگی تھی جس کی ہے تعبیر تو
ہمچو نے از نیستانِ خود حکایت می کنم
بشنو اے گل! از جدائیہا شکایت می کنم

("بانگِ درا")

موجِ دریا

مضطرب رکھتا ہے میرا دلِ بے تاب مجھے
عین ہستی ہے تڑپ صورتِ سیماب مجھے
موج ہے نام مرا، بحر ہے پایاب مجھے
ہو نہ زنجیر کبھی حلقۂ گرداب مجھے

آب میں مثلِ ہوا جاتا ہے توسن میرا
خارِ ماہی سے نہ اٹکا کبھی دامن میرا
میں اُچھلتی ہوں کبھی جذبِ مہِ کامل سے
جوش میں سر کو پٹکتی ہوں کبھی ساحل سے
ہوں وہ رہرو کہ محبت ہے مجھے منزل سے
کیوں تڑپتی ہوں، یہ پوچھے کوئی میرے دل سے
زحمتِ تنگیِ دریا سے گریزاں ہوں میں
وسعتِ بحر کی فرقت میں پریشاں ہوں میں

(بانگ درا)

چاند

اے چاند! حسن تیرا فطرت کی آبرو ہے
طوفِ حریمِ خاکی تیری قدیم خو ہے
یہ داغ سا جو تیرے سینے میں ہے نمایاں
عاشق ہے تو کسی کا؟ یہ داغ آرزو ہے؟
میں مضطرب زمیں پر، بیتاب تو فلک پر
تجھ کو بھی جستجو ہے، مجھ کو بھی جستجو ہے
انساں ہے شمع جس کی محفل وہی ہے تیری
میں جس طرف رواں ہوں منزل وہی ہے تیری
تو ڈھونڈتا ہے جس کو تاروں کی خامشی میں
پوشیدہ ہے وہ شاید غوغائے زندگی میں
استادہ سرو میں ہے، سبزہ میں سو رہا ہے
بلبل میں نغمہ زن ہے خاموش ہے کلی میں
آ! میں تجھے دکھاؤں رخسارِ روشن اس کا
نہروں کے آئینے میں، شبنم کی آرسی میں
صحرا و دشت و در میں کہسار میں وہی ہے
انساں کے دل میں تیرے رخسار میں وہی ہے

(بانگ درا)

تاجورؔ

برسات

(بچوں کے لئے)

برسات آئی برسات آئی

مینہ سے بیاباں رنگِ گلستاں
پھولوں کی برکھا دونوں میں یکساں
کوئل کی کُو کُو باغوں میں رقصاں
جگنو کی جگ مگ بن میں چراغاں

برسات آئی برسات آئی

رُت ہے سُہانی بنجر ہے دھانی
بارش کی چھم چھم آکاش بانی
سرسبز کھیتی کھیتوں کی رانی
جس سمت دیکھو پانی ہی پانی

برسات آئی برسات آئی

لالے کی لالی بن میں دوالی
کالی گھٹائیں گھنگھور کالی
جامے سے باہر باغوں میں مالی
مالن کے گجرے پھولوں کی ڈالی

برسات آئی برسات آئی

شب رنگ بادل مینہ کے ہراول
تپتی زمینیں پانی سے جل تھل
فرش زمرد سبزے کی مخمل
برسات ہے ہے جنگل میں منگل

برسات آئی برسات آئی

دلکش سماں ہے دِل شادماں ہے
خوشبوں کا ہر سو دریا رواں ہے
دل شاد اِک اِک پیر و جواں ہے
برسات کی رُت جانِ جہاں ہے

برسات آئی برسات آئی

محروم

تصویر بہار

دامنِ کوہسار سے ساحلِ رودبار تک
ساحلِ رودبار سے دامنِ کوہسار تک

مسند شاہد بہار تختۂ سبزہ زار ہے
شبنم تر سے کشت زار تختہ گہرنگار ہے

منظرِ جلوہ طرب ساعت روزگار ہے
روح نواز کس قدر نغمہ آبشار ہے
منظرِ صاف سطحِ آب آئینہ بہار ہے
دشت میں الغرض عیاں قدرت کردگار ہے

دامنِ کوہسار سے ساحلِ رودبار تک
ساحلِ رودبار سے دامنِ کوہسار تک

شاخ بہ شاخ سو بہ سو نغمہ سرا طیور ہیں
گرم ہے محفلِ نشاط بادہ کشِ سرور ہیں
جھومتے ہیں شجر تمام مست نشے میں چور ہیں
رقصِ شعاعِ مہر کے جلوے قریب و دور ہیں
ذرّے تمام خاک کے روکشِ کوہِ طور ہیں
قدرتِ صانعِ ازل! سب یہ تیرے ظہور ہیں

دامنِ کوہسار سے ساحلِ رودبار تک
ساحلِ رودبار سے دامنِ کوہسار تک

(ہمایوں)

آندھی

توصیف لب پہ لالہ و گل کی سدا رہی پیشِ نظر خرامشِ بادِ صبا رہی
محروم دلفریب یہ طرزِ ادا رہی اک ڈھنگ پر مگر تری طبعِ رسا رہی
اَب یہ دکھا کہ رنگ بدلتی ہے کس طرح

آندھی کلور کوٹ کی چلتی ہے کس طرح

وہ گرد کا پہاڑ اُٹھا پھر شمال سے　　بالیدگی ہیں دو قدم آگے خیال سے
صورت میں ہے اگرچہ وہ باہر مثال سے　　آتی ہے فوج دیو نظر چال ڈھال سے
روپوش اس کے سامنے کوہِ گراں ہُوا
ہیبت وہ ہے کہ زرد رُخِ آسماں ہُوا

ہر سمت آ رہی ہے سراسیمگی نظر　　بیچارگی کی بن گئے تصویر سب شجر
شاخوں میں چھپتے پھرتے ہیں طائر اِدھر اُدھر　　مامن کی راہ دوڑ کے لینے لگے بشر
چوپائے بھانپ کر یہ مصیبت کہاں گئے
اِن بیکسوں کے سینگ سما جہاں گئے

آتی ہے مثلِ اژدرِ صحرا پھنکارتی　　للکارتی فلک کو زمیں کو پکارتی
ذرّوں کو تا بچرخِ چہارم اُبھارتی　　اُڑتے ہُوؤں کو اوجِ فضا سے اتارتی
یکساں بلند و پست پہ چھاتی ہوئی چلی
ہل چل زمیں زماں میں مچاتی ہوئی چلی

جڑ سے اکھڑ کے نخلِ تناور کہیں گرا　　ٹہنا کسی غریب کے سر پر کہیں گرا
دیوار سے اکھڑ کے کوئی در کہیں گرا　　چھجا اُڑا کہیں سے تو چھپر کہیں گرا
جو چیز صحن میں تھی وہ صحرا میں جا پڑی
اہلِ زمیں پہ کیسی یہ اُفتاد آ پڑی

---

۱ کلور کوٹ ضلع میانوالی۔

چکر سے گرد باد کے چکرا گئی زمین دیکھا یہ زور شور تو تھرا گئی زمین
جھونکوں کے ساتھ اُڑتی ہوئی آگئی زمین بس اب کسی ستارے سے ٹکرا گئی زمین
آثار ہیں ظہورِ قیامت کے سر بہ سر
اجزائے دہر ہوتے ہیں آوائے منتشر

جب آسماں پہ اِسکا علم ہو گیا بلند کرنے لگے بچاؤ کی تدبیر ہوشمند
تا بامِ چرخ جس کی رسائی ہے بے کمند کس کی مجال ہے جو کرے اسکی راہ بند
چھُپ چھُپ کے لاکھ بیٹھئے کب چھوڑتی ہے یہ
دروازے کھٹکھٹاتی نہیں۔ توڑتی ہے یہ

آندھی نہیں نمونۂ قہرِ خدا ہے یہ شعلوں سے تند خو ہے بظاہر ہوا ہے یہ
بارش ہے جس کی خاک وہ کالی گھٹا ہے یہ تھمنے پہ اب تو آگئی۔ شکرِ خدا ہے یہ
نتھنوں میں۔ منہ میں آنکھوں میں کانوں میں گرد ہے
صحرا کی طرح بند مکانوں میں گرد ہے

افسوس! میں ہوں اور یہ صحرائے ہولناک اُڑتی ہے جس میں شام و سحر آسماں پہ خاک
ہیں جنڈ جائے سرو و گلبن کے بدلے آگ دل اس الم میں دامنِ گل کیطرح ہے چاک
رُک خاکباریوں سے گئی وہ صفائے طبع
اب پھول کیا زمینِ سخن میں کھلائے طبع

(مخزن)

وقتِ سحر

بہارِ سحر سے جہاں شادماں ہے
نثاروں کا گلزار وقفِ خزاں ہے
شفق سے فلک تختۂ ارغواں ہے
زمیں ہمسرِ ساحتِ گلستاں ہے
مسرت سے لبریز سارا جہاں ہے
سُہانا سُہانا سحر کا سماں ہے

جہاں پر تھا شہرِ خموشاں کا عالم
نہ تھا خوابِ غفلت ذرا موت سے کم
دوبارہ ہُوا ایک بہ یک زندہ عالم
نسیمِ سحر لب کہ تھی عیسوی دم
نئے سر سے پھر آگئی سب میں جاں ہے
سُہانا سُہانا سحر کا سماں ہے

شمیمِ گُلِ تر سے عالم مُعطّر
نسیمِ سحر دل کشا رُوح پرور
وہ تانیں کہ ہر آن جن سے سراسر
پرندوں کے جاں بخش نغمے ہَوا پر
سرورِ مئے شادمانی عیاں ہے
سُہانا سُہانا سحر کا سماں ہے

ہنسے پھول ہر اِک کلی مُسکرائی
پیامِ مسرّت صبا لے کے آئی
طیورِ چمن محوِ رنگیں نوائی
شگوفے ہوئے مائِلِ لب کشائی
ہجومِ طرب باغ کے درمیاں ہے
سُہانا سُہانا سحر کا سماں ہے

لپکتی ہیں موجیں جھکتے ہیں دریا
چمکتا ہے سُورج دمکتی ہے دنیا
مہکتا ہے گلزارِ عالم سراپا
چٹکتی ہیں کلیاں لہکتا ہے سبزہ

چہکتی اُڑی بُلبُل نغمہ خواں ہے
سُہانا سُہانا سحر کا سماں ہے

وہ ہل چل مچی شہر و دشت و جبل میں
تموّج سا پیدا ہے جل اَور تھل میں
چمک اُٹھے شبنم کے قطرے کنول میں
نئی تازگی آ گئی پھُول پھَل میں
رگِ دہر میں خونِ فرحت رواں ہے
سُہانا سُہانا سحر کا سماں ہے

سُنہری ہوئی کوہساروں کی رنگت
رُپہلی ہوئی آبشاروں کی رنگت
غضب ڈھا گئی لالہ زاروں کی رنگت
ہے اِک برگ میں سو بہاروں کی رنگت
زمینِ چمن عکسِ باغِ جناں ہے
سُہانا سُہانا سحر کا سماں ہے

"گلدستہ سخن"

شِملہ

رشکِ فردوس ہی محرومِ فضا شملے کی
نفسِ حور سے بڑھ کر ہے ہَوا شملے کی
چہرۂ شاہدِ فطرت نہیں مستور یہاں
نہیں اے ذوقِ نظر! پردے کا دستور یہاں
راجہ اِندر کا اکھاڑا ہے یہ کہسار نہیں
سبز پریوں کے ہیں انبوہ۔ یہ اشجار نہیں
اس کی رفعت کا بھلا کس سے ہو اندازہ ٹھیک
ہونگی جنّت کی فضائیں کہیں اسکے نزدیک
کیا خبر کیسا ہو نیرنگ تماشائے بہار
کہ خزاں میں ہے یہاں منظرِ زیبائے بہار
چشمِ مشتاق کو سامانِ تماشا ہیں بہم
شجر و سبزہ و گل انجمن آرا ہیں بہم

بے تکلّف ہے یہاں عشوۂ عریانِ بہار
خلوتِ ناز ہے یہ بزمِ عروسانِ بہار

حیرت افزا ہیں بہت چیل کے اشجارِ بلند
ان کی توصیف کو درکار ہیں افکار بلند

کوئی دیکھے تو ذرا ان کی فلک فرسائی
بے ستوں کب ہے یہ سقفِ فلکِ مینائی

تازگی جلوۂ انوارِ سحر میں ہے یہاں
طفلِ معصوم اُٹھے نیند سے جیسے خنداں

منظرِ شام نیا لطف دکھا دیتا ہے
سایۂ زلفِ حسیناں کا پتا دیتا ہے

قمقمے دامنِ کہسار سے تا دامنِ چرخ
جنکی طلعت سے ہے ممنون ضیا دامنِ چرخ

نظر آتے ہیں ستاروں سے زیادہ روشن
روبرو ان کے ستارے ہیں دیئے بے روغن

جس طرف دیکھئے اِک نور نظر آتا ہے
جو شجر ہے شجرِ طور نظر آتا ہے

سبق آموز ہے کیا خوب یہاں کی بستی
ہر بلندی کی بغل میں ہے برابر پستی

دُھوپ چھاؤں کے مناظر بھی غضب ڈھاتے ہیں
رنگ نیرنگیٔ دوراں کا دکھا جاتے ہیں

سایۂ ابر کہیں جلوۂ خورشید کہیں
عالمِ یاس کہیں۔ پرتو امید کہیں

(ہزار داستان)

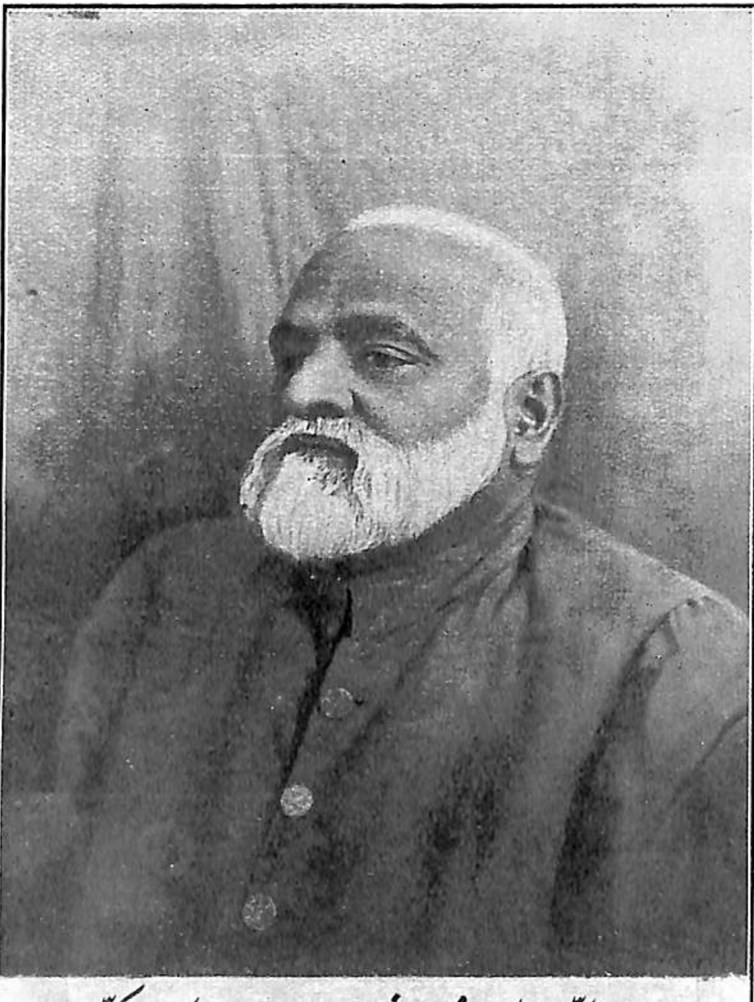
سلیم

بادِ صبا

کہتی ہے بادِ صبا صحرا میں جب آتی ہوں میں
سبز مخمل کا بچھونا سا بچھا جاتی ہوں میں

صحنِ گلشن میں اگر رکھتی ہوں میں آ کر قدم
کھیلتی پھولوں سے ہوں غنچوں کو بہلاتی ہوں میں

اردو مرکز لاہور



مولانا وحید الدین سلیم پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن

سیر کرنے کو نکلتی ہوں میں اکثر صبحدم
نوجوانانِ گلستاں کو جگا آتی ہوں میں

چھوڑ کر خشکی کو آتی ہوں تری کی سمت جب
موج کی شانے سے زلفِ بحر سلجھاتی ہوں میں

عطر بھر دیتی ہوں میں کلیوں میں چٹکا کر انہیں
اپنی اِن زبردستیوں پر آپ اتراتی ہوں میں

جنگلوں میں تند ہو کر کرتی ہوں ہلچل بپا
گلشنوں میں ناز سے چلتی ہوئی اٹھلاتی ہوں میں

فصلِ گل میں کرتی ہوں میں جب جوانوں پر گذر
عشق کے جذبات کو سینوں میں اُکساتی ہوں میں

سبزہ زاروں میں لٹا آتی ہوں شبنم کے گہر
لالہ زاروں میں پہنچکر پھول برساتی ہوں میں

عاشقوں کے کُنجِ عزلت میں پہنچتی ہوں اگر
آتشِ غم کو دلوں میں اُن کے بھڑکاتی ہوں میں

کر کے روشن شمع پروانے کو دیتی ہوں خبر
گوشِ گل تک نالۂ بلبل کو پہنچاتی ہوں میں

کرتے لاسلکی اشارے ہیں جو یہ اہلِ فرنگ
ساتھ بجلی کے پہنچ کر اُن کو پھیلاتی ہوں میں

نیم شب میں سرد جھونکے جب گذرتے ہیں مرے
آنکھ اکثر پہرہ داروں کی بھی جھپکاتی ہوں میں

میں درختوں کی رگوں میں دوڑتی ہوں بن کے خون
نوعروسانِ چمن کا رنگ جھلکاتی ہوں میں

گدگداتی ہوں حسینوں کو میں اکثر صبحدم
چپکے چپکے پاؤں معشوقوں کے سہلاتی ہوں میں

آبشاروں کو سکھاتی ہوں ترنم کوہ پر
ساتھ دے کر اُن کا خود بھی اپنی گاتی ہوں میں

مل کے فواروں کی دھاروں میں اڑاتی ہوں انہیں
چل کے چشموں کے کنارے ان کو چھلکاتی ہوں میں

کر کے طے زینے پہاڑوں کے پہنچتی ہوں اگر
چوٹیوں سے برف کے تودوں کو پھسلاتی ہوں میں

کرتی ہوں شاداب میں پژمردہ پودوں کو کبھی
تشنہ لب پھولوں پہ شبنم آ کے ٹپکاتی ہوں میں

آتی ہوں جب فصلِ گل میں لیکے پیغامِ بہار
دشتِ عریاں کو لباسِ سبز پہناتی ہوں میں

جب نمازِ صبح کی ہوتی ہیں آوازیں بلند
غافلانِ صبحدم کو آ کے ٹھکراتی ہوں میں

بادِ طوفاں بنکے جاتی ہوں جہازوں پر اگر
ایک عبرت کا تماشا سب کو دکھلاتی ہوں میں

ریگزاروں میں دکھاتی ہوں تماشائے سراب نیستاں میں آگ کے شعلوں کو دوڑاتی ہوں میں
عاشق و معشوق کا آتا ہے جب وقتِ وداع اشک کے قطروں کو رخسار و پہ ڈھلکاتی ہوں میں
شلغ جو کملا گئی ہو اس کو کرتی ہوں نہال آگ جو کجلا گئی ہو اُس کو سُلگاتی ہوں میں
پھول جو خود رو اُگا کرتے ہیں دشت و کوہ میں اِن کی خوشبوؤں سے اِک عالم کو مہکاتی ہوں میں
سینچتی ہوں آبِ باراں سے ہزاروں کھیتیاں جھومتے بادل سمندر سے اُڑالاتی ہوں میں
سرد ہوتی ہوں پہاڑوں سے گذرتی ہوں اگر نیّرِ رخشندہ کی کرنوں سے گرماتی ہوں میں
گدگدانے سے مرے ہوتے ہیں طائر نغمہ زن چھیڑ دیتی ہوں انہیں خاموش اگر پاتی ہوں میں

سانس کے رستے اُتر کر جسمِ حیوانات میں!
زندگی کی آگ کو ہر وقت دہکاتی ہوں میں

سمندر کے کنارے

دوپہر کا وقت ہے - چہرہ ہَوا کا صاف ہے
شوخ ہیں سورج کی کرنیں - آسماں شفّاف ہے
تلملا کر اُٹھتی ہیں موجیں سمندر کی تمام
ناچتی ہیں اور اسی دُھن میں مگن ہیں صُبح و شام
دور سے آتے نظر ہیں کچھ جزیرے نیلگوں
آسماں ہے دیکھ کر حیرت سے جن کو سرنگوں
اِن جزیروں میں پہاڑوں کی جو ہے پھیلی قطار

برف کے تودے ہیں اُن کی چوٹیوں پر بیشمار
دُھوپ کا پڑتا ہے اُن پر ارغوانی رنگ جب
دیکھنے والوں کو حُسن اُن کا نظر آتا ہے تب
اُٹھتی ہے ہر دم سمندر سے تموّج کی صَدا
چہچہاتے ہیں پرند اور سرسراتی ہے ہوَا
راگ بنتی ہیں صدائیں جب یہ ہوتی ہیں بہم
مَست ہو کر ناچتا ہوں سُن کے میں یہ زیر وبم
اُٹھتی ہیں مِل مِل کے موجیں اور بکھر جاتی ہیں وہ
سطح پر تاروں کی اِک بارش سی کرجاتی ہیں وہ
ریت پر بیٹھا ہوں میں تنہا۔عجب مستی میں ہوں
ہوں جو از خود رفتہ۔گویا اک نئی ہستی میں ہوں

(۲)

دُور آبادی سے ہوں میں یہ جگہ سُنسان ہے
جلوہ گر قدرت کی اس جا اک نرالی شان ہے
صاف منظر ہے۔نہیں اُڑتا حسد کا یاں غبار
کوئی دل یاں ہو نہیں سکتا ہے غم سے بیقرار
بغض وکیں کی یاں نہیں چلتی ہوائے دلخراش
اور تعصّب کر نہیں سکتا دلوں کو پاش پاش
یاں مسرّت ہی مسرّت ہے۔نہیں غم کا گذر

نورِ آزادی کا یاں چاروں طرف ہے جلوہ گر
ہے ہوا آزاد اور موجیں یہاں آزاد ہیں
سب پرند آزاد ہیں۔ سب مچھلیاں آزاد ہیں
حُسن لیتا ہے یہاں لہریں پڑا چاروں طرف
ہے خوشی چاروں طرف اور ہے ضیا چاروں طرف
کیا سمندر پر کھِلائے ہیں یہ قدرت نے چمن
ہے یہ لہروں کی سبھا۔ وہ بُلبلوں کی انجمن
مچھلیاں کرتی ہیں پانی میں اِدھر اٹھکھیلیاں
ہیں اُدھر طائر ہوا پر کس مزے سے نغمہ خواں
جس طرف دیکھو ادا قدرت کی رنگا رنگ ہے
حُسن ہے یا عیش ہے، یا راگ ہے، یا رنگ ہے
جس طرف دیکھو۔ نیا جلوہ، نئی اِک دُھوم ہے
بستیوں میں جو ہے وہ اس لطف سے محروم ہے
لیکن اس جا بستیوں والے جو مِل کر آئیں گے
لُطف آزادی کے یہ سب خاک میں مِل جائینگے

جوشؔ

چاندنی رات اور خواب نوشین

چودھویں مرگِ ناگہانی ہے　　چاندنی رات کی جوانی ہے
ہاتھ تخئیل کا رباب پہ ہے　　چاند کی سادگی شباب پہ ہے
چشمِ اہلِ نظر میں ہیں آنسو　　بھینی بھینی ہوا میں ہے خوشبو
نازشِ عالمِ شباب کوئی　　فرشِ گل پر ہے محوِ خواب کوئی
خوشنما نقش ہے نگینے پر　　ہاتھ رکھا ہُوا ہے سینے پر
سانس لینے میں ہونٹ ہلتے ہیں　　سرد جھونکے ہیں پھول کھلتے ہیں
نیم وا آنکھیں حشر کا ساماں　　زیرِ مژگاں وہ سایۂ مژگاں
صحنِ گلشن میں حُسن کی ضو ہے　　پھُول پر چاندنی کا پرتو ہے
روئے شفاف پر ہے خواب کا رنگ　　یا صراحی میں ہے شراب کا رنگ
رُخ پہ لہریں سی ہیں تلاطم ہے　　ہائے کیا نیند کا تبسّم ہے
زلف بکھری ہوئی قیامت ہے　　جھٹپٹے وقت کی سی صورت ہے
کچھ سیاہی ہے کچھ درخشانی　　زُلف سے چھپ گئی ہے پیشانی
حُسن ڈوبا ہُوا ہے صنعت میں　　کیا تناسب ہے نور و ظلمت میں
نو کہے رُخ کی برق پاشی میں　　صُبح کیا ہو رہی ہے کاشی میں
لوٹتی ہے زمین پر چادر　　سر ہے تکیے کے ایک گوشے پر

رُخ نے چمکا دیا ہے گلشن کو چاندنی چومتی ہے گردن کو
روئے رنگین و گیسوئے برہم نیند میں ہائے حُسن کا عالم
بے کہے گو میں رہ نہیں سکتا پھر بھی لفظوں میں کہہ نہیں سکتا
دل سے جو تیر کھینچ سکتا ہے وہ یہ تصویر کھینچ سکتا ہے
جوشؔ اِس وقت کوئی کام نہ کر
غور سے دیکھ اَور کلام نہ کر

اختر شیرانی

دیہات کا نغمۂ سحری

سنو! یہ کیسی آواز آرہی ہے! کوئی گاؤں کی لڑکی گا رہی ہے!
سحر کے ملگجے، بھیگے، سہمے کو! شرابِ نغمہ سے نہلا رہی ہے
اُٹھی ہے شاید آٹا پیسنے کو! کہ چکّی کی صدا بھی آ رہی ہے
تھکن سے چُور، اپنے ننھّے دِل کو! ترانہ چھیڑ کر بہلا رہی ہے
فضا پر، بستیوں پر، جنگلوں پر! دُھواں دھار ایک بدّلی چھا رہی ہے
چھما چھم مینہ کی بوندیں پڑ رہی ہیں! کہ ساون کی پری کچھ گا رہی ہے
یہ بادل کی گرج، بجلی کا کڑکا! خدائی ساری جنبش کھا رہی ہے
یہ بجلی ہے کہ اِک، مرمر کی ناگن! دھوئیں کی جھیل پر لہرا رہی ہے؟

یہ بوندیں ہیں کہ بجلی آسماں سے! ستارے توڑ کر برسا رہی ہے؟
مگر وہ غمزدہ، معصوم لڑکی! برابر گیت گائے جا رہی ہے
کچھ ایسا ناتواں نغمہ ہے گویا! کوئی ننھی کلی مرجھا رہی ہے
ہوا، ٹھنڈی ہوا، بھرتی ہے آہیں! فضا، دھندلی فضا تھرا رہی ہے
گھروں پر، کھیتیوں پر، کیاریوں پر اداسی ہی اداسی چھا رہی ہے
نہ جانے کیا اثر ہے اِس صدا میں کہ خود فطرت بھی بہکی جا رہی ہے
یہ گھر سسرال ہوگا شاید اِس کا جبھی ماں باپ کی یاد آ رہی ہے!
جبھی مصروف ہے آہ و فغاں میں جبھی غمگین لے میں گا رہی ہے

"یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے"

"ہوا جو گاؤں کو مہکا رہی ہے! مرے میکے سے شاید آ رہی ہے"

"یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے"

"گھٹا کی اُودی اُودی چُنریوں سے مری سکھیوں کی بُو باس آ رہی ہے"

"یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے"

"مجھے لینے نہ آئے اچھے ابّا! تمہاری یاد آفت ڈھا رہی ہے"

"یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے"

"مری امّاں کو ہو اِس کی خبر کیا؟ کہ چمپا اس جگہ گھبرا رہی ہے"

"یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے"

"نہ لی بھیّا نے بھی سدھ بدھ ہماری جہاں سے چاہ اُٹھتی جا رہی ہے"

"یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے"

"ہوا کی پنکھیا جھل جھل کے بجلی مرے من کی لگی بھڑکا رہی ہے"
"یہ برکھا رُت بھی بیتی جارہی ہے"
"بھلا کیوں کر تھمیں آنسو کہ دل پر اُداسی کی بدریا چھا رہی ہے"
"یہ برکھا رُت بھی بیتی جارہی ہے"
"گیا پینگیں بڑھانے کا زمانہ" وہ اَمریّوں پہ کویل گا رہی ہے"
"یہ برکھا رُت بھی بیتی جارہی ہے"
یونہی وہ اپنی غمگیں راگنی سے! در و دیوار کو تڑپا رہی ہے"
سیاہی کچھ کچھ اُڑتی جارہی ہے عروسِ صُبح بڑھتی آرہی ہے"
شوالے میں گجر بھی جاگ اُٹھا ٹنا ٹن ٹن کی آواز آرہی ہے"
چہکنے والی ننھی پیاری چڑیا گھنے جنگل میں منگل گا رہی ہے"
کوئی بکری اِدھر کرتی ہے مَیں مَیں کوئی بچھیا اُدھر چلّا رہی ہے"
مگر اِن سب سے بے پروا وہ لڑکی ابھی تک گیت گائے جارہی ہے"
اسے سُن سُن کے کب تک سر دھنوگے؟
بس، اختؔر سونے دو نیند آرہی ہے!

("بہارستان")

لیلائے شب

چمن میں لیلائے شب ہواؤں کی گود میں سوتی آرہی ہے
بہار کے خوابِ ناز کا خوش گوار پیغام لا رہی ہے

سفید بُراق بادلوں کا روپہلی گہوارہ سا بنا ہے!
افق کی دُھندلی فضا بھی جسکے سروپ سے جگمگا رہی ہے

سیاہ ساری پہ سینکڑوں زرفشاں ستارے جڑے ہوئے ہیں
جو اس کے گلفام جسم کو اپنی ظلمتوں میں چھپا رہی ہے

کچھ ایسی میٹھی ادائیں برتی گئی ہیں بیباک چتونوں میں
فضا کی رنگینیوں پہ جیسے کوئی پری اُڑتی آ رہی ہے

بصر سے محروم اس کی نظریں، نظر سے بیگانہ اسکی آنکھیں
خبر نہیں کس طرف سے آئی ہے اور کس سمت جا رہی ہے

کوئی ہو غافل کہ ہوش میں ہو، کسی کی پروا نہیں ہے اسکو
زمیں پہ تاریکیاں بچھاتی ہوئی دبے پاؤں آ رہی ہے

لبوں پہ خاموش اِک تبسّم، زباں پہ مدہوش اِک ترنّم
کہ جیسے کوئی کلی ہواؤں کی چھیڑ سے کھلتی جا رہی ہے

ادھر وہ مدہوش ہو رہی ہے ادھر کھلے جا رہی ہے ساری
ادھر اندھیرا ابڑھا رہی ہے اُدھر ستارے لُٹا رہی ہے

ہوائیں خاموش ہو چکی ہیں فضائیں مدہوش ہو گئی ہیں
مگر وہ اب تک برابر اپنے سکوت کے گیت گا رہی ہے

غرض یونہی سوتی اور سلاتی، نشے پلاتی، ترانے گاتی
ہوا کی پریوں کے ساتھ اپنی سواری آگے بڑھا رہی ہے
سرک کے چہرہ سے اسکا آنچل کمر تلک کھُل کے اُڑ رہا ہے

حیا کی تاثیر گھٹ رہی ہے، برہنگی اُڑتی جارہی ہے

جو کُھل گئی پوری ساری لے لیگا، گود میں آفتاب اسکو!
سُنہری کرنوں کی روشنی کا ملے گا زرّیں نقاب اسکو! ("بہارستان")

چاندنی رات میں مغلیہ شہزادیوں کی چوگان بازی!

حصارِ دہلی پہ ماہ تاباں۔ شراب سیمیں بہار رہا ہے
کہ آسماں سے کوئی فرشتہ۔ زمیں پہ موتی لُٹا رہا ہے

افق کی دُھندلی فضاؤں میں کوئی مرمری گرد اُڑا رہا ہے
زمین کا چپّہ چپّہ پارے کی ندیوں میں نہا رہا ہے

جگہ جگہ آسمان پر خوشنما ستارے جڑے ہوئے ہیں
اِدھر کوئی جھلملا رہا ہے، اُدھر کوئی جگمگا رہا ہے

ہواؤں کے ہلکے ہلکے نغمے، کچھ اس ادا سے بکھر رہے ہیں
کہ جیسے کوئی تھکا ہُوا گانے والا کچھ گنگنا رہا ہے

وہ دیکھو! چوگان بازی میں محو، مغلیہ شہزادیاں ہیں
جو دیکھ لے شاعر، انکے چہرے تو بول اُٹھے ماہزادیاں ہیں

ہوا میں تیزی سے سطح اپنا اپنا گھوڑا، بڑھا رہی ہیں
کہ جیسے پریاں زمیں سے اُڑ کر دیارِ انجم کو جا رہی ہیں

یہ اُن کی اُٹھتی جوانیاں ہیں۔ جوانیاں ہیں دوانیاں ہیں
کہ حُسن کی کچھ کہانیاں ہیں جو ذہنِ شاعر پہ چھا رہی ہیں
حسین پھُولوں کے دامنوں پر نشہ میں لہرا رہے ہیں کالے
کہ انکی کافر سیاہ زُلفیں لٹک کے شانوں پہ آ رہی ہیں
پڑی ہے سبزہ کے درمیاں، ایک ملگجی گیند جسکے پیچھے
وہ اپنے گھوڑے اُڑا رہی ہیں، ادا سے چوگاں بڑھا رہی ہیں
یہ گیند ہے یا اُبھر رہا ہے حسین چہرہ پہ تِل کسی کا؟
کہ گر پڑا ہے مچل کر ان کی سیاہ زلفوں سے دِل کسی کا؟

"بہارستان"

بانسری کی آواز

برسات کا یہ موسم یہ نیلگوں گھٹائیں
یہ باغ و بن کا عالم یہ گُلفشاں فضائیں
یہ رس بھری ہوائیں
یہ رنگ و بو کے طوفاں یہ برج کے نظارے
یہ جنتی خیاباں جمنا کے یہ کنارے
یہ سین پیارے پیارے
دامانِ گلُستاں میں یہ سبزہ کی بہاریں
آغوشِ آسماں میں یہ بگلوں کی قطاریں

یہ مینہ کی پھُواریں
یہ کویلوں کی کوکو یہ مور کی صدائیں
یہ نازنین آہو اور یہ غریب گائیں
یہ نشہ گوں فضائیں
سبزہ نکھر رہا ہے وادی مہک رہی ہے
نشہ بکھر رہا ہے بلبل چہک رہی ہے
فطرت بہک رہی ہے
ٹھہرو۔ مگر یہ آواز دیکھو! کہاں سے آئی
یہ نکہتِ فسوں ساز کس گلستاں سے آئی
کس آسماں سے آئی
یہ بانسری کی لے ہے یا جان بے خودی ہے
یہ نغمہ ساز مے ہے یا کان بے خودی ہے
ایمان بے خودی ہے
اس بانسری کی لے میں اللہ کیا اثر ہے
اس اُڑنیوالی مے میں کیا سحر کارگر ہے
جو ہے وہ بیخبر ہے
یہ کون اس سمے میں بنسی پہ گا رہا ہے
اسدرجہ مست لے میں بنسی بجا رہا ہے
نغمے سُنا رہا ہے

دیکھو تو پاس چل کر　　شاید ہے کوئی جوگی
یا گاؤں سے نکل کر　　آیا ہے کوئی روگی
سنسار کا بروگی

شاید کوئی رشی ہے　　سنیاس کی لگن میں
شاید کوئی منی ہے　　مصروف کیرتن میں
توحید کے بھجن میں

ہاں آؤ پاس چل کر　　پوچھیں کہ نام کیا ہے
تلووں سے آنکھیں ملکر　　پوچھیں کہ کام کیا ہے
اس کا پیام کیا ہے

ٹھہرو! ذرا نگاہیں　　پہچانتی ہیں اس کو
قدرت کی جلوہ گاہیں　　سب جانتی ہیں اس کو
اور مانتی ہیں اسکو

ہاں ہاں یہ بنسی والا　　چوکی نظر ہماری
گجرات کا گوالا　　ہے کرشنا مراری
اور آرزو ہماری

کیا چشمِ سرگیں پر　　فتنے ابھر رہے ہیں
اور دوش نازنیں پر　　گیسو بکھر رہے ہیں
پھر بھی سنور رہے ہیں

اِک جوش سرمدی ہے　　بنسی بجا رہا ہے

دنیائے بے خودی میں فتنے اُٹھا رہا ہے
محشر جگا رہا ہے
ہنسی ہیں سے پریشاں نغمے مچل رہے ہیں
یا سینکڑوں گلستاں کروٹ بدل رہے ہیں
اور پھول اُگل رہے ہیں
دنیا پہ اسکی لَے سے مدہوشی چھا گئی ہے
گھبرا کے اُس نشے سے (جو وہ لٹا گئی ہے)
خود فطرت آ گئی ہے
یہ نغمے سُن کے فطرت کھوئی سی جا رہی ہے
موسیقیٔ محبت کے زخم کھا رہی ہے
اور مُسکرا رہی ہے

فاخر ہریانوی

کوئل

تیری صدائے دِلنشیں مَست اور جنوں انگیز ہے
تیری نوائے آتشیں فریاد سے لبریز ہے

تڑپا رہی ہے دِل مرا یہ پُر اثر کوکُو تری
برما رہی ہے دِل مرا اے مشتِ پر کوکو تری

اس وقت نظروں سے نہاں تو اپنے کاشانے میں ہے
گونجی ہوئی لیکن تیری آواز ویرانے میں ہے

کہتے ہیں سب شاعر تجھے روح و روانِ فصلِ گُل
خوش آمدی خوش آمدی اے میہمانِ فصلِ گُل

(۲)

کیا ہے اگر تیری صدا اِک نالۂ ماتم نہیں
میں کس طرح کہہ دوں کہ تو مجروحِ تیغِ غم نہیں

تقسیمِ غم کے واسطے ہر وقت آمادہ ہے تُو
اور دل گرفتہ نازنیں کہہ کس کی دلدادہ ہی تُو؟

وہ کیا کشش تھی جو یہاں جنگل میں لے آئی تجھے؟
رہتی ہے کس کی جستجو اے پیکِ صحرائی تجھے؟

کیا تیرا دل بھی درد کی دولت سے مالامال ہے

کیا تجھ کو بھی میری طرح یہ زندگی جنجال ہے

(۳)

سُن کر تیری میٹھی صدا کچھ جیسے کھو جاتا ہوں میں
بچپن کی یاد آتے ہی پھر معصوم ہو جاتا ہوں میں

کھوئے ہوئے فردوس کا مجھ کو پتا دیتی ہے تُو
گذرے ہوئے ایام کو واپس دلا دیتی ہے تُو

محفوظ ہے تیرا اثر افسونِ صبح و شام سے
پھر کیوں نہ تجھکو مانگ لوں میں گردشِ ایام سے

آموں کے برگ و بار میں تیری صدا سُنتا رہوں
خوش ہو کے بچّوں کیطرح میں اپنا سر دُھنتا رہوں

(۴)

آ۔ دونوں مِلکر اُڑ چلیں اس سرزمینِ پاک میں
جس کی جبیں ضوریز ہے آئینۂ افلاک میں

وہ خوشنما وادی جہاں دنیا کا کوئی غم نہ ہو
وہ جس جگہ انسان کو کچھ فکر بیش و کم نہ ہو

عشق وفا پیشہ نہ ہو رنج و الم سے آشنا
حُسن جفا پیشہ نہ ہو جور و ستم سے آشنا

عمرِ رواں آزاد ہو زنجیرِ صبح و شام سے
ہر شے جہاں آزاد ہو پابندیِ ایام سے

(۵)

ہیں یہ ابلکا یک کیا ہُوا کیوں گاتے گاتے رُک گئی
وہ اُڑ چلی پر تول کر وہ شاخ دب کر جھک گئی

سوئے فضائے نیلگوں اب مائلِ پرواز ہے
دوشِ ہوا پر یا کوئی اُڑتی ہوئی آواز ہے

وہ دور مغرب کیطرف بالکل افق کے سامنے
رنگین ہیں بادل جہاں رنگِ شفق کے سامنے

بکھری ہوئی ہیں بال و پر ساکن فضا میں ہر طرف
آزاد پھرتی ہیں جدھر چیلیں ہوا میں ہر طرف

جا پہنچی وہ اُڑتی ہوئی اِس گلشنِ بے خار میں

اور رفتہ رفتہ چھپ گئی مغرب کے لالہ زار میں

(اخبار اتحاد لاہور)

دیہات کی رات

چپکے چپکے گیت خاموشی کے گاتی ہے فضا دیکھ کر تاروں کی جانب مسکراتی ہے فضا
اوڑھ کر اپنے تنِ نازک پہ چادر چاندنی بام گردوں سے اترتی ہے زمیں پر چاندنی
مسجد و محراب سے شورِ اذاں اٹھتا نہیں سرد اور خاموش چولھوں سے دھواں اٹھتا نہیں
لیٹ جاتی ہیں گھروں میں بیبیاں آرام سے آدمی بے فکر سو جاتے ہیں اپنے کام سے
ساگ لے کر گھروں میں پھر نیوالی عورتیں شوخ اور منہ پھٹ مگر شب رنگ کالی عورتیں
سارا دن چکی پہ محنت کرنے والی لڑکیاں کم سے کم اجرت پہ پانی بھرنے والی لڑکیاں
بھاری بھرکم اور ضدی گاؤں کے سادہ رئیس پہلوانوں مجلسوں کتوں کے دلدادہ رئیس
مسجدوں کی کہنہ دیواروں کے رکھوالے امام آئے دن پردیسیوں سے بھڑنے والے امام
خانقاہوں کے مجاور اور بھک منگے فقیر ادھ موئے، گستاخ، سر اور پاؤں سے ننگے فقیر
موسمی گیتوں سے واقف خوش گلو میراسنیں ہر کسی سے لڑنے والی تُند خو میراسنیں
ڈوم جن کی بتذل باتوں پہ سر دھنتے ہیں سب اپنا اپنا من گھڑت شجرہ نسب سنتے ہیں سب

. . . .

. . . .

وہ مدرّس جن کے دم سے مدرسہ آباد ہے جن کو سعدیؒ کی گلستاں کچھ زبانی یاد ہے
رفتہ رفتہ نیند سے مدہوش ہو جاتے ہیں سب اور اس پُر کیفیت وادی میں کھو جاتے ہیں سب

آدمی اعمال سے دوچار ہوتے ہیں جہاں
خواب روحوں کے لئے تیار ہوتے ہیں جہاں

تاروں بھری رات میں ڈل کے کنارے پر

ہے طلسم جزر و مد سے بے خبر سینہ ترا
صاف ہے روئے سحر کی طرح آئینہ ترا

بہ رہا ہے اِس طرح پانی خرامِ ناز سے
ہلکے ہلکے جس طرح پیدا ہوں نغمے ساز سے

ہے یہاں پر شورشِ ہستی کی ہر آواز چُپ
ہو سیاہی رات کی جیسے دمِ پرواز چُپ

اپنی جانب تری خاموشی بُلاتی ہے مجھے
ترے دل سے صاف یہ آواز آتی ہے مجھے

چھوڑ دے سب کچھ اگر تجھ کو میسر ہے سکوں
شورشِ ہنگامۂ ہستی سے بہتر ہے سکوں

بے حقیقت ہے جہاں کا شور و شر کچھ بھی نہیں
دیکھنے میں تو یہ سب کچھ ہے مگر کچھ بھی نہیں

چھوڑ دے دنیا کی شور انگیز بستی چھوڑ دے
خود غرض بے مایہ انسانوں کی بستی چھوڑ دے

اور بنا لے گھر اِک ایسی وادیٔ خاموش میں
سو رہی ہوں ندیاں جسکی حسیں آغوش میں

دن کے ہنگاموں سے تھک کر ہو گئی ہے رات چُپ
ہو دلِ شاعر میں جیسے محشرِ جذبات چُپ

دیکھتی ہے چار جانب آنکھ گھبرائی ہوئی
ہے مناظر پر بظاہر تیرگی چھائی ہوئی

پھر بھی دُھندلے سے نظر آتے ہیں ساحل پہ پہاڑ
اِسطرح کچھ جیسے پہنے ہوں سیہ چادر پہاڑ

ہاں مگر اسوقت چوٹی آنکھ سے مستور ہے
اتنی ہی تاریک ہے جو چیز جتنی دُور ہے

شام سے بیدار ہیں کچھ پھول ساحل کے قریب
نکہت آوارہ ہے ان پھولوں کی محفل کے قریب

آرہی ہے کان میں رہ رہ کے جھینگر کی صدا گویا ہو جاتی ہے چپ چپ کہہ کے جھینگر کی صدا

اے مسافر رحمتِ حق کی نشانی ہے یہ جھیل
آدمی کو اک بہشتِ جاودانی ہے یہ جھیل

اے ستارو اے بہار جاودانِ شاعری ہے تمہارے دم سے تابندہ جہانِ شاعری
دیدہ ور تم کو کیا ہے چرخِ نیلی فام نے ہیں جہاں بھر کے مناظر سب تمہارے سامنے
دل تمہارا معرفت کے نور سے آباد ہے نسل انسانی کی کل تاریخ تم کو یاد ہے
آہ وہ شے جو فضا میں زندہ رکھتی ہے تمہیں آسماں پر رات بھر تابندہ رکھتی ہے تمہیں
آدمی کا دل بھی اس شے کا امانت دار ہے وہ ہے سرجوش جس سے زندگی سرشار ہے
فرق اتنا ہے کہ حاصل ہے فلک پر گھر تمہیں رات نے پہنا دیا ہے نور کا زیور تمہیں
اور زمیں پر رینگتے پھرتے ہیں ہم خاکی نژاد ہیں ہمیشہ سے رہینِ رنج و غم خاکی نژاد

پھر رہے ہو تم مگر ہم قید میں مجبور ہیں
دیکھتے ہیں تم کو لیکن تم سے کوسوں دور ہیں

ہے زمیں خاموش بزمِ آسماں خاموش ہے دم بخود ہے جھیل اور آبِ رواں خاموش ہے
کر رہی ہے غور ہر شے نظمِ موجودات پر ایک نشے کی سی کیفیت ہے طاری رات پر
چپکے چپکے گیت خاموشی کے گاتی ہے فضا دیکھ کر تاروں کی جانب مسکراتی ہے فضا
درس آگاہی یہاں ملتا ہے ہر تمثال سے کہہ رہا ہے پتہ پتہ یہ زبانِ حال سے
مجھ کو دیکھو مظہرِ شانِ خدا ہے دل میرا نورِ اسرارِ قدم کا آئینہ ہے دل میرا

پڑ رہا ہے مجھ پہ پرتو اس مقدس ذات کا
دیدۂ بینا ہے جس سے ذرہ ذرہ رات کا

پیش کر سکتی ہے یہ شے صرف تنہائی ہمیں
گھیرتے ہیں جب خیالاتِ من و مائی ہمیں

پھوٹتی ہیں نور کی کرنیں دلِ آگاہ سے
ہوتے ہیں اسوقت بندے ہم کلام اللہ سے

ہر بنِ مو سے نکلتی ہے انا الحق کی صدا
روح کے سانچے میں ڈھلتی ہے انا الحق کی صدا

ایسی حالت میں نقاب جسم اُٹھا دیتے ہیں ہم
موت بھی آئے تو اُسکا منہ چڑا دیتے ہیں ہم

("ہمایوں")

دیہات کی صُبح

جگمگا اُٹھا وفور نور سے ایوانِ صبح
چہچہاتے ہیں درختوں پر بہم مرغانِ صبح

باغ میں پتوں کو آ کر گدگداتی ہے صبا
خواب سے منہ بند کلیوں کو جگاتی ہے صبا

روشنی ہی روشنی حدِ نظر تک چھا گئی
رات کے جاگے ہوئے کُتّوں کو بھی نیند آگئی

آ رہی ہے کان میں چکّی کی گھر گھر کی صدا
ہے فضا میں منتشر اللہ اکبر کی صدا

ننھے بچّے کروٹیں لیتے ہوئے سو کر اُٹھے
اُٹھے لیکن بادلِ ناخواستہ رو کر اُٹھے

لے رہا ہے اسطرح حُقّے کے تکیہ دار کش
ہر دفعہ کھنکارنے کے بعد ہیں دو چار کش

پھیل کر ہر سمت حقّے کا دُھواں اڑنے لگا
آسماں کے نیچے اک اور آسماں اڑنے لگا

چھیڑتے ہیں نیند کے ماتوں کو آ آ کر فقیر
پیٹ کی خاطر مرے جاتے ہیں گا گا کر فقیر

اٹھتے ہی کھیتوں کی جانب چودھری ہو لیے ہوئے
ہاتھ منہ دھویا ذرا سی چھاچھ پی ملیے ہوئے

وہ جنہیں کچھ ہیر کا حصّہ زبانی یاد ہے
اُن کی پُر تاثیر تانوں سے فضا آباد ہے

موجۂ گل کیطرح اٹکھیلیاں کرتی ہوئی ق
لاکھ شوخی اور نزاکت سے قدم دھرتی ہوئی

صاف ململ کے دوپٹوں سے چھپائے جسم کو
اپنوں غیروں کی نگاہوں سے بچائے جسم کو

گھر کا دکھڑا ساتھنوں سے راہ میں روتی ہوئی
منڈوں کھیتوں گھروں کے پاس سے ہوتی ہوئی

راہ کی پگڈنڈیوں کے ساتھ ہی پھرتی ہوئی
کھیلتی ہنستی ہنساتی چھیڑتی گرتی ہوئی

جا رہی ہیں دیویاں اشنان کرنے کے لئے
ہاتھ منہ دھونے نہانے اور نکھرنے کیلئے

میلے کپڑوں کی بہت سی گٹھڑیاں لادے ہوئے
اپنے اپنے بیل پر رختِ گراں لادے ہوئے

جا رہا ہے مختصر سادھوبیوں کا قافلہ
اپنی نوعیت میں ہے یہ بھی انوکھا قافلہ

خوبصورت گھنگرو ہر بیل کی گردنمیں ہیں
وہ جو آغاز سفر سے حالت شیون میں ہیں

انکی ٹن ٹن (جس سے کوئی گوش نامحرم نہیں)
سونیوالوں کے لئے شور جرس سے کم نہیں

جس گلی سے جس محلّے سے گذر جاتے ہیں یہ
نیند کے ماتوں کو بس بیدار کر جاتے ہیں یہ

آج بھی کل کی طرح دو چار کتّے ساتھ ہیں
پہرہ دینے والے چوکیدار کتّے ساتھ ہیں

اور کتوّں کیطرح لڑنے کے یہ عادی نہیں
اس لئے کوئی مسافران کا فریادی نہیں

ہریانہ

کھینچ کر تقدیر لے آئی ہے ہریانے میں پھر
پھر رہا ہوں میں اسی آباد ویرانے میں پھر

کروٹیں لیتا ہے پانی سبزہ زاروں میں یہاں
ہے حیاتِ جاودانی سبزہ زاروں میں یہاں

ریت ہیں بکھری ہوئے ہیں سخت پتھر ہر طرف
چرتے پھرتے ہیں ہرے کھیتوں میں ڈنگر ہر طرف

ندیاں کرتی ہیں باغوں میں طواف اشجار کا　　اک طرف پھیلا ہوا ہے سلسلہ کہسار کا

ہے یہاں ہر راستے کے موڑ پر تکیہ کوئی　　دور سے آتا ہے کھیتوں میں نظر تکیہ کوئی
آنے جانیوالے تھک کر بیٹھ جاتے ہیں یہاں　　حقہ پینے والے اکثر بیٹھ جاتے ہیں یہاں

رونق دیہات ہیں ٹوٹے ہوئے بازار کچھ　　ملتے ہیں تہذیب رفتہ کے یہاں آثار کچھ
اس جگہ حرص و ہوا کی گرم بازاری نہیں　　مفلسوں کو بھی یہاں احساس ناداری نہیں
ہے تکلف سے مبرا زندگی انسان کی　　ہوتی ہے سادہ دلی پر بارش اطمینان کی
یوں مسرت پھوٹتی ہے چشمۂ جذبات سے　　جسطرح سورج کی کرنیں ہوں نمایاں رات سے
حسب عادت روز مشرق سے نکلکر آفتاب　　کاٹتا ہے نصف چکر ان کے سر پر آفتاب
جاری رہتا ہے تغیر ہر گھڑی اوقات میں　　رات دن میں جذب ہو جاتی ہے اور دن رات میں
دن مہینوں سے بدلتے ہیں مہینے سال سے　　حال ماضی سے تو مستقبل زمان حال سے
سینکڑوں تبدیلیاں ہوتی ہیں اس دوران میں　　کروٹیں لیتی ہے تہذیب جدید انسان میں
لیکن اس تہذیب کا ان پر اثر ہوتا نہیں　　اس خرابے میں کسی شے کا گذر ہوتا نہیں
کر نہیں سکتے انہیں قائل خیالات جدید　　دیکھتے ہیں ان کا منہ حیرت سے حالات جدید

گاؤں کے مغرب کی جانب ایک قبرستان ہے　　یہ بھی اک محفل ہے لیکن محفل ویران ہے
سو رہے ہیں اس زمیں پر گاؤں کے سادہ بزرگ　　گاؤں کی معصوم آبادی کے دلدادہ بزرگ
وہ نگاہ ظاہری کی دسترس سے دور ہیں　　آجتک قبروں میں انکی ہڈیاں مستور ہیں
وقف تھی یہ بیوفا دنیا کبھی ان کے لئے　　تھی غم و شادی کا مرکز زندگی ان کے لئے

تھا اثر موجودان کی سرد آہوں میں کبھی — بجلیوں کے آشیانے تھے نگاہوں میں کبھی
اُن کی پُرتاثیر نالوں سے فضا آباد تھی — آہ دنیا کو کبھی ان کی جوانی یاد تھی
آج وہ قبروں کی عزلت گاہ میں خاموش ہیں — "اک گئے گذرے پرانے خواب میں مدہوش ہیں"

اِس زمیں سے میرا جسمِ ناتواں پیدا ہُوا — اور میرے ساتھ ہی میرا جہاں پیدا ہُوا
یہ فضائے صاف یہ ماہ مبیں یہ آسماں — یہ ہوا کے تیز جھونکے یہ زمیں یہ آسماں
یہ ستارے آسماں کی سطح پر بکھرے ہوئے — کچھ اِدھر بکھرے ہوئے کچھ اُدھر بکھرے ہوئے
اپنی رو میں آپ ہر سو بہنے والی ندیاں — برشگالی فصل میں خوش رہنے والی ندیاں
بعد بارش دھوپ سے نکھرے ہوئے آموں کے باغ — یہ تصور کی طرح بکھرے ہوئے آموں کے باغ
سبز کھیتوں کی محافظ قدِ آدم جھاڑیاں — زلف کی مانند پیچیدہ و برہم جھاڑیاں
دوش پہ نکہت کو لیکر گھومنے والی ہوا — ہر طرح کی قید سے آزاد منے والی ہوا
وسعتِ صحرا کی زینت دوڑنے والے ہرن — جنگلوں کی گود کے پالے ہوئے کالے ہرن
ہر دو راہے پر گلوں کا اک چمن آراستہ — ہر شجر پر طائروں کی انجمن آراستہ
خوشنما پھولوں کا مسکن یعنی میدانِ سُرخ — صبح کا بشاش چہرہ شام کا دامان سُرخ
تھا کبھی موجودان کے درمیاں بچپن مرا — پھر رہا تھا بے تکلف شادماں بچپن مرا

جنتِ ارضی کبھی تھا میرا گھر میرے لئے
تھے کبھی شام و سحر شام و سحر میرے لئے

("اخبار زمیندار")

وفاؔ

قوسِ قزح

جاں فزا ہے کیا ترا نظّارہ اے قوسِ قزح
چشمِ حیراں کا ہے تو گہوارہ اے قوسِ قزح
تو لبِ دریا فرازِ آسماں پر جلوہ گر
عکس تیرا چادرِ آبِ رواں پر جلوہ گر

جلوہ آرائے طرب تیری شعاعِ جلوہ ہے
واہ وا کیا شان ہے کیا ارتفاعِ جلوہ ہے

آہ گو اب بھی وہی ہے جلوہ آرائی تیری
اور چشمِ وقفِ حیرت بھی ہے شیدائی تری
دیکھ کر تجھ کو مگر اب دل اُچھلتا کیوں نہیں
مر گیا ہے آہ کیا؟ کروٹ بدلتا کیوں نہیں
آہ اب کوئی ترنگ اُٹھتی نہیں سینے میں کیوں
زندگی پیدا نہیں ہوتی اس آئینے میں کیوں

تجھ سے اِس مردہ دلی پر میں بہت شرمندہ ہوں
ہے یہی کافی سزا اسکی کہ اب تک زندہ ہوں

میں گرفتارِ محن پابندِ زنجیرِ الم!
سینہ صد چاک میرا مجمعِ تیرِ الم
میرا دل میرا دلِ ویراں مزارِ آرزو
ہے یہی باقی فقط اک یادگارِ آرزو

روزگارِ عیش میرے سازگار اب ہیں نہیں
نغمۂ عشرت مری بربط کے تار اب ہیں نہیں

وجد خیزی کا اثر ساون کے جھونکوں میں کہاں
بوئے تسکیں گلشنِ ہستی کے پھولوں میں کہاں
وقفِ پامالی ہے میرا لالہ زارِ خورمی
آہ مجھ کو خار دیتی ہے بہارِ خورمی

چھیڑتی ہے دل کے چھالوں کو ہوا برسات کی

خوں رُلاتی ہے مجھے کالی گھٹا برسات کی

تو نے دیکھے ہیں ہزاروں انقلابِ روزگار
کچھ بتا مجھ کو بھی تفسیرِ کتابِ روزگار

روزگار اپنا ابھی کروٹ بدلتا کیوں نہیں
اختر تقدیر گردش سے نکلتا کیوں نہیں

آتے ہیں دورِ خزاں کے بعد ایامِ بہار
اک ہمیں کیوں باغِ عالم میں ہیں ناکامِ بہار

کیوں ہماری سرزمیں سے آسماں کو لاگ ہے

کیا اسی گلزار سے برقِ طپاں کو لاگ ہے

(اخبار اتحاد لاہور)

صفی لکھنوی

تاروں بھری رات

نظر کے سامنے ہے اک طلسمات
تری کیا بات اے تاروں بھری رات

ستارے ہیں کہ نازک آب گینے
رواں یا بحرِ اخضر میں سفینے

یہ انجم یہ فضائے چرخِ اخضر
سمندر میں بطیں جیسے شناور

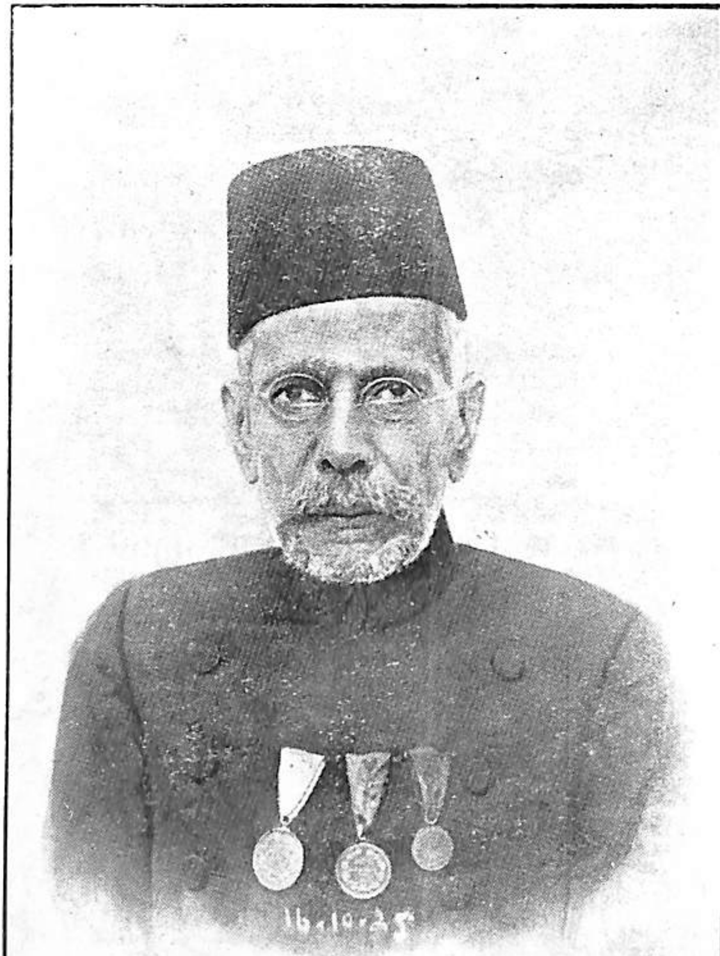
ستارے جن کے ہر سو غلغلے ہیں
یہ سب بحرِ فنا کے بلبلے ہیں

ثبات ان کو نہیں دنیا میں زنہار
یہ جتنے ہیں ثوابت اور سیّار

جوان کی گردشوں پر کیجئے غور
ہر اک کا ان میں سے محدود ہے دور

لبوں پر ہے تحیّر کا ترانہ
کسی کا ہے یہ دھر آئینہ خانہ

خدا جانے کہ سرمنزل کہاں ہے
رواں دن رات یونہی کارواں ہے



مولینا صفی لکھنوی

فلک ہے یا کوئی لوحِ زبرجد
مرصع کاریاں جس پر ہیں بے حد

کواکب ہے کہ نگ چھوٹے بڑے ہیں
یہ ہیرے دستِ قدرت نے جڑے ہیں

نہ جانے توڑ کر اک سلکِ گوہر
کیے کس نے ہیں یہ موتی نچھاور

یہ کس کا جلوہ یارب گلفشاں ہے
کہ پا انداز فرشِ کہکشاں ہے

فلک پر جمع ہیں جنّت کی حوریں
زمیں کے رہنے والے کیوں نہ گھوریں

ٹنگے ہیں پردۂ شب میں ستارے
نشاط انگیز ہیں دلکش نظارے

کسی کی سیج پر بکھرے ادھر پھول
تڑپ اُٹھا اِدھر دل حسبِ معمول

کبھی اک خندۂ دنداں نما پر
گہرافشاں مسلسل دیدۂ تر

جراحت خیز صحنِ باغِ گردوں
جواب سینۂ پر داغ گردوں

بساطِ چرخ پر تارے نچھے ہیں
کہ خاکستر پر انگارے بچھے ہیں

ہے اندیشہ یہی آہِ رسا سے
دہک اُٹھیں نہ یہ اخگر ہوا سے

بجا عقدِ ثریا کو گلہ ہے
کہ پہلو میں دل پُر آبلہ ہے

بنات النعش! کیوں غم ہو نہ تازہ
لئے ہو اپنے کاندھے پر جنازہ

خدا ہی جانتا ہے رازِ ہستی
وہ ہو انجام یا آغازِ ہستی

ہوئے ہیں جس غرض سے خلق اختر
کھلے وہ عقدۂ سربستہ کیوں کر

جو ہے دل میں کہو۔ کہدوں صفی میں
یہ شمعیں جس لئے روشن ہوئی ہیں

کریں تا اِن مزاروں پر چراغاں
نہیں جن کا جہاں میں کوئی پُرساں

(قوس قزح)

صحرائی

تاروں بھری رات

رات آئی کسل سے انگڑائیاں لیتی ہوئی
اپنے چہرہ پر نقابِ آسماں لیتی ہوئی

سبزہ زار دشت میں سو سو طرح چھپتی ہوئی
اور گلشن میں پناہِ آشیاں لیتی ہوئی

اپنی زلفوں میں زحل کے تیر بکھرائے ہوئے
اپنے کاندھوں پہ کمانِ کہکشاں لیتی ہوئی

جانبِ مغرب سے اُٹھی جیسے اُٹھتی ہے گھٹا
صفحۂ اسود پہ دھندلی داستاں لیتی ہوئی

ہر طرف تاریکیِ مطلق کا ڈیرا ہو گیا
چاند نکلا چھپ گیا سورج اندھیرا ہو گیا

آسماں پر قمقمے تاروں کے لہرانے لگے
گوہرین کوکب زمیں پر نور برسانے لگے

نیل زارِ چرخ پر چاندی کی کلیاں کھل گئیں
سر جھکا کر پھول بھی گلشن میں شرمانے لگے

آسماں دینے لگا پیغامِ ارضِ خواب کو
قاصدِ بادِ صبا آنے لگے جانے لگے

ہو گئے روشن فضائے نیلگوں میں شب چراغ
اور اجرامِ فلک تن تن کے اترانے لگے

آسماں کی سیر کو جوڑا چکوروں کا چلا
رقص کرنے طائفہ جنگل میں موروں کا چلا

مرحبا یہ چرخِ نیلی اور یہ تاروں کی بہار
انکے سایہ میں چھلکتے آبشاروں کی بہار

صاف ستھرے آسماں پر سیکڑوں تارونکا لطف
نور سے بھیگی زمیں پر مرغزاروں کی بہار

ذرہ ذرہ سے جھلکنا عالمِ تنویر کا
دامنِ شب میں نمایاں کہکشاؤں کی بہار

رات ہے بھیگی ہوئی تارے بھی ہیں چھٹکے ہوئے — اب کوئی دیکھے گلستاں میں بہاروں کی بہار

پردۂ گل چاک کر کے سیر کو نکہت چلی
نو عروسانِ چمن سے کھیلنے جنّت چلی

چرخ پر پھیلا ہوا ہے ایک عالم نور کا — ہے گماں ہر ایک تارے پر چراغِ طور کا
لیلیٔ شب نے بھرے ہیں لف میں موتی نئے — ہر خمِ نظارہ بنجاتا ہے گھونگھٹ حور کا
عکس سے تاروں کے آئینہ ہیں موجیں بحر کی — قطرہ قطرہ پر ہے دھوکا ساغرِ بلّور کا
جب چنی تاروں کی افشاں لعبتانِ چرخ نے — اور ہی کچھ ہو گیا ماتھا شبِ دیجور کا

کی مداراتِ نظر شمعیں جلا دیں دور تک
یاسمن کی چرخ پر سیجیں بچھا دیں دور تک

آہ یہ تاروں بھری رات اور یہ ہیجانِ دل — ہوں اکیلا اور کوئی بھی نہیں مہمانِ دل
عکس سے تاروں کے بھی پیدا چمک ہوتی نہیں — کس قدر تاریک ہے یہ خلوتِ ویرانِ دل
رات میرے دل کا افسانہ ہے الجھایا ہوا — جتنے تارے ہیں سمجھتا ہوں انہیں عنوانِ دل
ہر ستارے کی کرن پیغامِ تسکیں لائی ہے — پھر بھی آسودہ نہیں ہے دیدۂ حیرانِ دل

ہے زمیں تاریک بزمِ آسماں تاریک ہے
ہجر میں میرے لئے سارا جہاں تاریک ہے

"قوس قزح"

آنند نرائن مُلاّ لکھنوی

گنگا کے چراغ

آبِ گنگا کیا ہی مستانہ ترا انداز ہے
جھوم کر چلنے پہ تیرے مجھ کو کیا کیا ناز ہے
کیا مرے جذبات کی دنیا کا تو ہمراز ہے
تیری لہروں میں مری تخیل کی پرواز ہے

اپنی موجوں کا تلاطم آ مرے سینہ میں دیکھ
عکس اپنی بیکلی کا دل کے آئینہ میں دیکھ

آج تک آنکھوں میں ہے تیرا سماں اے ہر دوار
وہ ہجومِ مہوشاں محوِ تماشا بر کنار
وہ صفلئے آبِ اخضر میں چراغوں کی قطار
دیکھ کر جن کو یہی کہتا تھا دل بے اختیار

تا بہ سطحِ آب ہر گوہر اُبھر آیا ہے کیا
آسماں سے کر ستاروں کو اُتر آیا ہے کیا

کیا شعاعِ مہر کے ذرّے پریشاں ہو گئے
فیض سے خورشید کے بہ خود درخشاں ہو گئے
تیرے آبِ پاک کے جوہر نمایاں ہو گئے
کیا کسی کے داغِ عصیاں نورِ ایماں ہو گئے

رقص کرنے کے لئے جگنو نکل آئے ہیں کیا
پھول جنت کے فلک والوں نے برسائے ہیں کیا

یہ مسافر کون ہیں ہے کونسا یہ کارواں؟
کیا اسی کا عکس ہے کہتے ہیں جسکو کہکشاں
کسقدر پیاری ہیں انکی چھوٹی چھوٹی کشتیاں
یہ کہاں سے آئے ہیں بہرِ تماشائے جہاں؟

اہلِ دنیا کو تری عظمت دکھانے کیلئے

خلد سے آئی ہیں کیا پریاں نہانے کیلئے

گھورنے والوں کی نظروں سے یہ گھبراتی نہیں
پیکرِ نوری کی عریانی سے شرماتی نہیں

پر یقیں انسان کی باتوں کا یہ لاتی نہیں
موج دریا چھوڑ کر ساحل تلک آتی نہیں

حُسن دکھلاتی تو ہیں لیکن کچھ اس انداز سے
اپنا جلوہ خود چھپا لیتی ہیں اپنے ناز سے

اے چراغِ آبِ گنگا! تجھ میں کیسا نور ہے
تو کسی عاشق کا دل ہے یا جبینِ حُور ہے

اِک جھلک دِکھلا کے پھر موجوں میں تو مستور ہے
حسن کا چشمِ تمنّا سے یہی دستور ہے

تیرا جلوہ کیا کسی مظلوم کی تقدیر ہے
ایک ہستی کے امید و بیم کی تصویر ہے

کیا تری تقدیر میں انساں کی رنجوری بھی ہے
کیا ترے دل میں تمناؤں کی مجبوری بھی ہے

سینۂ نوری میں تیرے ذوقِ مہجوری بھی ہے
کیا ترے جامِ گلی میں آبِ انگوری بھی ہے

کِسکی امیدوں کی گلکاری ترے دامن میں ہے
آرزو کِسکی فروزاں تیرے پیراہن میں ہے

تو کسی کے سوزِ دل کا شعلۂ مستور ہے
تو کسی کی دیدۂ گریاں کا سارا نور ہے

تجھ میں ساری التجائے خاطرِ مجبور ہے
تو کسی بیکس کی نظروں میں چراغِ طور ہے

تجھ میں پنہاں جذبۂ ہمدردیِ انسان ہے
جلوۂ خورشید تیرے نور پر قربان ہے

"زمانہ"

رُوحی الٰہ آبادی

اندھیری رات

(۱)

ہر سو تاریکی چھائی ہے ہر شے پر غفلت طاری ہے
سب اپنے گھروں میں سوتے ہیں نیند اپنی سب کو پیاری ہے
ہاں میری قسمت میں شاید بے خوابی ہے بیداری ہے
ڈوبا ہوں غم کے سمندر میں اور آنکھ سے ندّی جاری ہے

جس سمت نگاہیں اٹھتی ہیں
اندھیاری ہی اندھیاری ہے

(۲)

اے ننّھے ننّھے تارو جاؤ تم کیوں دیر لگاتے ہو
چاند اب سوتا ہے مغرب میں ہاں تم بھی کیوں نہیں جاتے ہو
کیوں دور سے مجھکو تکتے ہو کیوں آنکھیں مجھکو دکھاتے ہو
اچھا آجاؤ پاس میرے ہاں آؤ کیوں نہیں آتے ہو

جس سمت نگاہیں اٹھتی ہیں
اندھیاری ہی اندھیاری ہے

(۳)

اے باغ کے سونے والو پھولو آنکھیں اپنی کھولو تم
بس اُٹھو کتنا سوؤ گے اب شبنم سے مُنہ دھولو تم
مَیں دِل بہلانے آیا ہوں اے غنچو منہ سے بولو تم
کچھ لے نہ اڑی ہو بادِ صبا اب جیبیں اپنی ٹٹولو تم
جِس سمت نگاہیں اٹھتی ہیں
اندھیاری ہی اندھیاری ہے

اے پیارے چمکیلے جگنو (۴) کیوں دل میں آگ لگاتا ہے
تاریک فضا میں چنگاری کیوں ہر سُو آج اُڑاتا ہے
کیا تجھ کو نیند نہیں آتی کیا تیرا دِل گھبراتا ہے
آجا ہاں پیارے آجا بتلادے کہاں تو جاتا ہے
جِس سمت نگاہیں اٹھتی ہیں
اندھیاری ہی اندھیاری ہے

خاموش پپیہے پی پی کر (۵) کِس کنج میں تو چُپ بیٹھا ہے
اب کیوں نہیں پی کی سمرن ہے کیوں چپ ہے کیوں نہیں گاتا ہے
ہاں چھیڑ دے سازِ محبّت کو پھر شوق کا طوفاں اُٹھا ہے
مدہوش تو کر دے بہرِ خدا نہیں ضبط کا مجھ میں یارا ہے
جِس سمت نگاہیں اٹھتی ہیں
اندھیاری ہی اندھیاری ہے

اِن آم کے پیڑوں کے کنجوں میں (۶) مجھ کو وحشت ہوتی ہے

اُٹھ کوئیل اُٹھ پھر کو کو کر کیا ظالم تو بھی سوتی ہے
کیوں بھینی بھینی خوشبو کے پُرلطف فضا کو کھوتی ہے
اُٹھ دیکھ تو اس سناٹے میں کیوں شبنم آ کر روتی ہے
جس سمت نگاہیں اُٹھتی ہیں
اندھیاری ہی اندھیاری ہے

اے دریا تیری لہریں کیوں (۷) اب ساحل پر نہیں آتی ہیں
اب کیوں نہیں چہلیں کرتی ہیں اب کیوں نہیں شور مچاتی ہیں
ہو جس سے جوش طبیعت میں وہ نغمہ کیوں نہیں گاتی ہیں
ساحل پہ کھڑا ہوں تنہا میں وہ کیوں نہیں آگ سناتی ہیں
جس سمت نگاہیں اُٹھتی ہیں
اندھیاری ہی اندھیاری ہے

(۸)

یہ رات بھیانک جنگل کی تاریکی سے میں ڈرتا ہوں
اِک پیڑ کے نیچے بیٹھا ہوں اور ٹھنڈی سانسیں بھرتا ہوں
اکثر میں راتوں کو پیارے بس تجھ کو ڈھونڈا کرتا ہوں
تاریکی میں چھپنے والے میں تیری ادا پر مرتا ہوں
جس سمت نگاہیں اُٹھتی ہیں
اندھیاری ہی اندھیاری ہے ("زمانہ")

کیفی

بسنت کی بہار

دشت بنے ہیں گلستاں کھیت ہیں کشتِ زعفراں
اُٹھتی ہے آنکھ جس طرف خلدِ نگاہ ہے سماں
آج ہوئی ہے کائنات فیضِ بہار سے جواں
گُل ہے کھلاتی کیا بسنت
زر ہے لُٹاتی کیا بسنت

باغ نیا ہے بن نیا گُل کا ہے پیرہن نیا
پتّیوں کی پھبن نئی پھُول کا بانکپن نیا
ہر کہیں ہے فضا نئی ہے فلکِ کہن نیا
کیسی ہے جانفزا بسنت
کیسی ہے دلربا بسنت

نشو و نما کا ذکر کیا ہوگیا ہر شجر نیا
برگ نئے ہیں گل نئے رنگ ہے سب بدل گیا
چہرۂ زمہریر پہ نکلا ہے خطِ استوا
شان سے آئی ہے بسنت
دہر پہ چھائی ہے بسنت

پھول ہیں ساغرِ شراب غنچہ ہے غمزہ حجاب
روئے زمیں پہ ہر کہیں لُنڈھتی ہے حسن کی شراب
حُسن ہے اور فروغِ حسن کون و مکاں پہ ہے شباب

مایۂ ناز ہے بسنت
حُسن نواز ہے بسنت

دامنِ دشت و کوہسار سونے سے بھر گئی بہار
کیوں نہ دلوں کو چھین لے شاہدِ گل کا یہ نکھار
ہو گیا ذرہ ذرہ آج غیرتِ نافۂ تتار

طرۂ حور ہے بسنت
رو کشِ طور ہے بسنت

لو وہ بسنت آ گئی قدرتِ حق دکھا گئی
آنکھوں میں بس گئی بسنت دل کی کلی کھلا گئی
راغ کو باغ باغ کو رشکِ ارم بنا گئی

حور ہے اور پری بسنت
کیسی ہری بھری بسنت

طلوعِ سحر

تھا دور ایک منزل ابھی لشکرِ سحر سرہنگ شب نے بھانپ کے دنیا کو دی خبر

شبنم کے قاصد آئے غباروں میں بیٹھ کر   اُن سے صبا نے سُن کے خبر کی وہ مشتہر
سرگوشیاں تھیں غنچوں میں "ہے کس کا انتظار؟"
جو رایت شفق ہوا مشرق سے آشکار

آ کر جو کی نسیم نے شوخی سے گدگدی   تو ہر کلی کی آنکھ وہیں چٹ سے کھل گئی
بلبل کی جانب اس نے اچانک نگاہ کی   کچھ دیکھ کر اِدھر اُدھر اکبار ہنس پڑی
تھی تاک میں شمیم وہیں پر لگی ہوئی
اس کی بدولت اسکی چمن میں ہنسی اُڑی

چپکے سے کیا نسیمِ سحر نے سُنا دیا   غنچوں کے دل کو فرطِ طرب سے کھلا دیا
بادِ سحر نے معجزہ اپنا دِکھا دیا   شبنم کے چھینٹے دے کے چمن کو جگا دیا
غنچے بھی کھِل کھلا کے گلستاں میں ہنس پڑے
انگڑائی لے کے سرو و صنوبر ہوئے کھڑے

رنگِ شفق سے تھا جو افق مُلکِ زر نگار   یکمشت گل نے کیسۂ زر کر دیا نثار
دلکش عروس باغ کا تھا حسن اور نکھار   صدقے ہزار جان سے تھی عندلیب زار
منہ شاہدانِ گل کے جو شبنم نے دھوئے تھے
سنبل کے بال بال میں موتی پروئے تھے

چھایا ہوا تھا دہر میں اِک نور کا سماں   دھویا ہوا تھا آبِ رخِ حور سے جہاں
انجم کا آسمان سے کِھسکا تھا کارواں   مہتاب کے بھی منہ پہ اُڑی تھیں ہوائیاں
شب زندہ دار چرخ کا بھی رنگ فق ہوا
غالب ہر ایک رنگ پہ رنگِ شفق ہوا

نکلا جو خیمہ سے شہ گیتی ستانِ صبح　　حاضر پئے سلام ہوئے افسرانِ صبح
فوجِ شعاع لیکے بڑھا قہرمانِ صبح　　لہرا رہا تھا ہیں فلک پر نشانِ صبح
ڈنکا ہوا طیورِ چمن کی صفیر کا
اِک غل تھا آمدِ شہ گردوں سریر کا

فوجِ شعاع کی ہوئی آمد کی جب کہ دھوم　　تو ہو گیا فلک سے ہوا لشکرِ نجوم
مشرق میں یوں ہوا شہِ خاور کا جب قدوم　　آنکھوں پہ رکھے سب نے قدم اسکے چوم چوم
اِکدم میں شب کی تیرگی کا فور ہو گئی
دنیا چمک کے اِک کرۂ نور ہو گئی　　(خمخانۂ کیفی)

سمندر جھاگ

اس سمندر میں جہاں تک کہ نظر جاتی ہے　　ایک کیفیت دلکش یہ نظر آتی ہے
کام کرتی ہے جہاں تک نگہِ وحدت بیں　　ضدین کا کہیں کثرت کی نشاں تک بھی نہیں
اپنی یکرنگی پہ نازاں تھا بہت چرخِ کبود　　اس سے ہمرنگی میں کب کم ہے سمندر کا وجود
سر پہ خیمہ جو ہے تانے فلک نیلی فام　　فرش یکسر ہے کئے بحرِ کبودی اندام
لکّے بادل کے فلک پر ہیں یہاں اور وہاں　　ہر کہیں جھاگ کے گچھے ہیں سمندر پہ رواں
جس طرف دیکھو یہی ایک سماں چھایا ہے　　رنگ یہ رنگیٔ عالم میں نیا آیا ہے

جو بہا اس کفِ یم کی ہے اِسے کیا کہئیے　　وصف سے اسکے ہے کم کتنا ہی اچھا کہئیے

کیا دلاویز سمندر کا یہ نظارہ ہے آب حیواں کا یہ ظلمات میں فوارہ ہے
خوشنما جھاگ ہیں کیا بر سرِ بحرِ موّاج چوٹیوں پر ہیں ہمالہ کی مگر برف کے تاج
دلبری میں نہیں کم درزِ حنا سے ہرگز نہ چمک میں یدِ بیضا کی ضیا سے ہرگز
رخِ لیلےٰ یہ ردا میں سے چمک نکلا ہے موئے مشکیں پہ یہ جھومر کہ جو چھٹکا ہے
شبِ تاریک میں اٹھکھیلیاں کرتے ہیں حباب بحر کے دوش پہ چڑھ بیٹھے ہیں درِ خوش آب
ہے یہ کلغی پر سرخاب کی یم کے سر پر موتیوں کا سرِ الیاس پہ رقصاں ہے چھتر
شمع روشن ہے زمرد کے لگن میں گویا داغِ الفت کا یہ سینے سے دھواں ہے اٹھا
پشت پر فیل کی ہے نقرئی ہودے کی بہار سر پہ گردوں کے ہے ٹوا خوشہ مرویں ہے نثار
درِ دنداں کی چمک مسّی ملے ہونٹوں پر تیغِ مختار ہے یا شمر کے سر کے اوپر
یا یہ مینے کی انگوٹھی میں ہے ہیرے کی ڈلک یا ہے یہ چشمِ سیہ مست پہ افشاں کی چمک

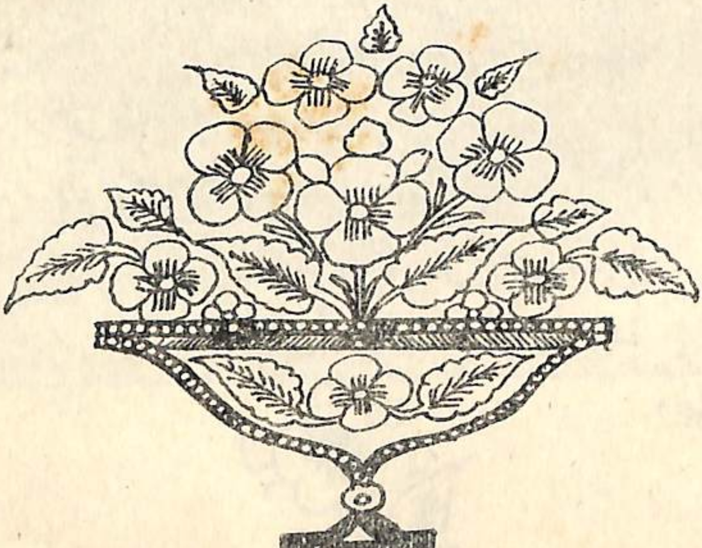
بوالہوس دل کی ہیں کیفی یہ ترنگیں گویا
سچ ہے یہ قول کہ پانی پہ ہے بس انکی بِنا

بہارِ کشمیر

آنکھ اٹھتی ہے جدھر اس پُر فضا گلزار میں
رشکِ گل انداز آتے ہیں نظر ہر خار میں
طبع شاعر کی روانی کی دکھانی ہے ادا
ہے وفورِ جوش اتنا نہر و جوئبار میں

چشمے سرچیون ہیں ایسے جن پہ کوثر ہو نثار
چشمِ گردوں نے بھی دیکھے ہوں نہ اِس منسار میں
آنکھ جب اس پر پڑی جنّت نظر سے گر گئی
ہیں کہاں ایسی بہاریں سرگ کے گلزار میں
ہے ہتک کشمیر کی کہنا اسے جنّت نظیر
سامنے آنکھوں کے یہ وہ ہے دلِ احرار میں
لالہ و ریحاں سمن اور گل اگر ہیں باغ میں
بن بہار اور بوئے کستوری بسی کہسار میں
حسنِ قدرت کے مناظر صحت افزا اس قدر
ہے مرض مفقود چشمِ نرگسِ بیمار میں
برمحل ہے گر نسیمِ باغ ہے جلوہ فروش
سبزہ کی لپٹیں ہیں مشکِ نافۂ تاتار میں
تم نہ پاؤ گے کہیں جو ہے یہاں جوشِ نمو
پھوٹتی کونپل ہے چوبِ دشنۂ نجّار میں
ہے لبِ آب ایک گلشن اور ہے اِک زیرِ آب
ڈل بھی لاثانی ہے دنیا کے دیارِ امصار میں
مارتا ہے کیا سفیدہ آبِ ڈر کو ٹھوکریں
روندے جاتے ہیں گہر اس بزمِ گوہربار میں
برف کی یہ چوٹیاں الماس کے سرِ تیج ہیں

اِن بزرگوں کو ملے قدرت کے جو دربار میں
ایک سے اِک بڑھ کے ملتے ہیں مناظرِ دلفریب
دیکھو وادی میں جدھر جاؤ جہاں کہسار میں
پھول ہیں چشمے ہیں میوے کے شجر اور مرغزار
چپّہ چپّہ دب رہا ہے لطفِ حق کے بار میں
پایا جاتا ہے خزانے اپنی قدرت سے نے مگر
ہیں لٹائے سر بسر اس وادیِ کہسار میں
قدرتِ حق صنعتِ انساں سے ہے شیر و شکر
کھول کر آنکھیں ذرا دیکھو تو شالامار میں
گلشنِ کشمیر کے اوصاف قابضِ دل یہ ہیں
ہو سکیں کیوں کر بیاں کیفی وہ چند اشعار میں



عزیز لکھنوی

صبح

جمالِ مہرِ انجم سوز محوِ گرم جوشی ہے
گلوں میں ہر طرف ہنگامۂ شبنم فروشی ہے

چمن مطرب تجلّی نغمہ زن عالم نشاط افزا
اگر زاہد بھی پی لے مے تو وقتِ چشم پوشی ہے

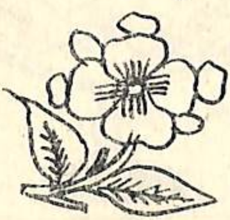
شجر ہیں وجد میں سرشار ہے معمورۂ دنیا
نسیمِ صبح گاہی مستِ شغلِ مے فروشی ہے

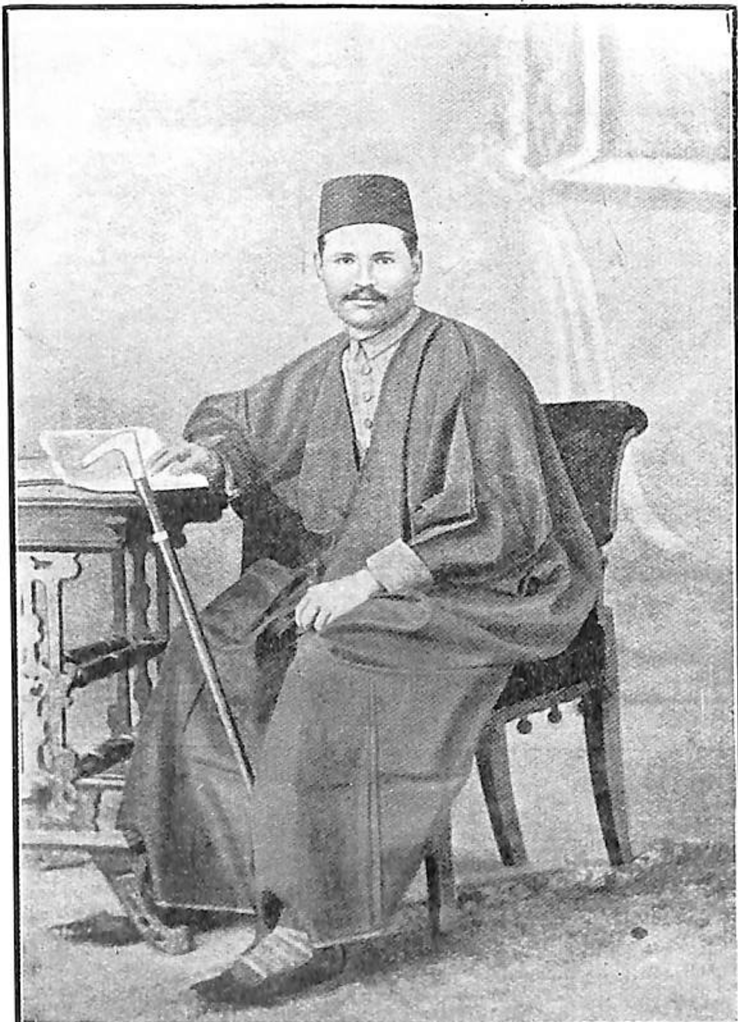
افق سے پھیلتی جاتی ہیں کرنیں مست ہے ہر شے
چھلکتا جام ہے ٹوٹی ہوئی مہرِ خموشی ہے

شفق کا بادۂ گلرنگ اور یہ جام مینائی
طلوعِ صبح بھی تمہیدِ رسمِ بادہ نوشی ہے

عزیز آزاد طائر شاخِ گل پر چہچہاتے ہیں
حیات اپنی مگر وابستۂ حلقہ بگوشی ہے

"خیابان"





مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی

برق

روضہ تاج محل آگرہ

بساطِ خاک پہ تو ہے نگار خانۂ حُسن رقم ہے یا سرِ لوحِ زمیں فسانۂ حُسن
جبینِ سنگ پہ منقوش ہے ترانۂ حُسن نظر نواز ہے یا گوہرِ یگانۂ حُسن
خجل ہے جلوۂ مہتاب ہے وہ ضو تجھ میں
نہاں ہے شانِ ادائے عروسِ نو تجھ میں

ز فرق تا بقدم پیکرِ حسیں ہے تو ردائے نور میں ملبوس نازنیں ہے تو
مرقعِ کششِ حسنِ دل نشیں ہے تو بہارِ خلد کی تصویر بالیقیں ہے تو
فروغِ دیدۂ دل۔ جنّت نظارہ ہے
ضیا فشاں کرۂ ارض پر ستارہ ہے

شگفتہ تختۂ نسریں ہے تو کہ قصرِ بلور سپیدۂ سحری ہے کہ خرمنِ کافور
نظارۂ کفِ سیلاب ہے کہ چشمۂ نور مزارِ خاک پہ یا ضو فگن ہے شعلۂ طور
نثارِ جلوۂ سیمیں ہے چشمِ نظّارہ
فدائے شوکتِ تزئین ہے چشمِ نظّارہ

عجائباتِ زمانہ میں انتخاب ہے تو زمیں پہ منزلِ فردوس کا جواب ہے تو
سپہرِ حُسن ہے۔ یا برجِ ماہتاب ہے تو نگار خانۂ صنعت کنارِ آب ہے تو
یہ تیرا عکس ہے سیلاب کی روانی میں
کہ اک سفینۂ زرّیں پڑا ہے پانی میں

نہاں ہے گوہر نایاب تیرے دامن میں
خموش شمع فروزاں ہے کنج مدفن میں
بہار حسن ہے خوابیدہ صحن گلشن میں
سکون پذیر ہے ممتاز اپنے مسکن میں
حریم خاک میں ہیں حُسن و عشق ہم آغوش
ہیں محوِ خوابِ عدم تاج و تاجدار خموش
("نساتہ")

برسات اور مناظرِ کوہ

کیا شانِ دلفریبی کہسار ہو بیاں
ہر دم یہاں ہے پیشِ نظر نت نیا سماں
برسات بھی دکھاتی ہے یاں ٹھنڈی گرمیاں
موسم میں ہیں غضب کی تلوّن مزاجیاں
سایہ کبھی ہے دھوپ کبھی۔ ابر تر کبھی
دُھندلا سا اِک غبار ہے پیشِ نظر کبھی

منظر وہ دلفریب سرِ کوہسار کا
سایہ پھر اس پہ دامنِ ابرِ بہار کا
وہ ہلکے ہلکے ابر سے پڑنا پھوار کا
دامانِ کوہسار سے ڈھلنا غبار کا
نکھرے ہُوئے وہ سبز شجر دور دور تک
آتے ہیں صاف صاف نظر دور دور تک

وہ نیلگوں سا گنبدِ گردوں کا سائباں
ابرِ سیہ محیط کہیں زیرِ آسماں
دلکش وہ سر بلند پہاڑوں کی چوٹیاں
پھرتے ہیں جن پر ابر کے لکّے رواں دواں
ٹھنڈی ہوائیں کھیلتے ہیں دھوپ چھاؤں سے
دامانِ کوہ روندتے پھرتے ہیں پاؤں سے

برسات کا سماں۔ وہ فضا سبزہ زار کی وہ دور تک صفیں شجرِ سایہ دار کی
وہ رعد کی کڑک۔ وہ صدا آبشار کی وہ موجِ جانفزائے سمرِ نسیمِ بہار کی
وہ جنبشِ صبا سے لہکنا گیاہ کا
وہ کامیاب ہو کے پلٹنا نگاہ کا

وہ ہلکی ہلکی دھوپ وہ بادل کہیں کہیں قطعاتِ کوہسار مسلسل کہیں کہیں
کھائی ہیں وہ بھری ہوئے جل تھل کہیں کہیں سبزے کا فرش غیرتِ مخمل کہیں کہیں
پھیلا ہوا وہ سلسلۂ کوہ دور تک
اور اس پہ بادلوں کا وہ انبوہ دور تک

وہ جلوۂ بہارِ شفق۔ اور وقتِ شام وہ دونوں وقت ملتے ہوئے شب کا اہتمام
وہ جلوۂ بہارِ شفق۔ اور وقتِ شام ہائے میں جلوہ زیرِ فلک پر مہ تمام
بکھری ہوئی وہ نور کی کرنیں زمین پر
صد نقشِ دلفریب ہیں نیچر کے سین پر

مطلع وہ صاف صاف وہ مہتاب جلوہ ریز وہ ٹھنڈی روشنی وہ شعاعیں سرور خیز
تازہ کنِ دماغ ہوائیں وہ عطر بیز فرحت فزائے قلب وہ پھولوں کی بوئے تیز
وہ نور سا برستا ہوا آسمان سے
کافور تیرگی کا وہ ہونا جہان سے

رخسارِ ماہتاب پہ گہ دامنِ سحاب وہ نورِ شب فروز کا جلوہ تہِ نقاب
گہ کالے بادلوں سے چمکنا بہ آب و تاب گہ ابرِ تر میں ڈوب کے ہونا غریقِ آب
ہونا جھلک دکھاتے ہی اوجھل نگاہ سے

منہ ڈھانکنا وہ دامنِ ابرِ سیاہ سے

مدھم سی زرد زرد شعاعیں وہ ماہ کی
جلوہ نما نقاب سے ابر سیاہ کی
وہ تیرگی میں جلوہ نمائی نگاہ کی
دامانِ ابر سے وہ جھلک گاہ گاہ کی

رُخ پر ہوائیاں سی قمر کے چھٹی ہوئیں
وہ ابر تر کے ہاتھ بہاریں لُٹی ہوئیں

وہ خال خال چرخ پہ تارے کہیں کہیں
وہ کالے بادلوں کے غبارے کہیں کہیں
وہ برق کی چمک وہ شرارے کہیں کہیں
وہ نور و تیرگی کے نظارے کہیں کہیں

منظر وہ آسمان پہ سپید و سیاہ کا
تھم تھم کے لطفِ سیر اُٹھانا نگاہ کا

المختصر پہاڑ کے منظر ہیں دل فریب
جو سین ہیں یہاں وہ سراسر ہیں دلفریب
شام و سحر کے لُطف برابر ہیں دلفریب
برسات کی فضائیں مقرر ہیں دلفریب

رنگینیاں جو کوہ پہ ہیں سبزہ زار کی
گلکاریاں ہیں قدرتِ پروردگار کی

برسات کی شام

ڈھل چکا ہے دن سُہانی شام ہے برسات کی
آمد آمد ہے شبستان جہاں میں رات کی
مہرِ انور گوشۂ مغرب میں پنہاں ہوگیا

چرخِ زنگاری شفق سے گل بداماں ہوگیا

بادلوں کے زیبِ بر ہیں جامہ ہائے دیدہ زیب
جن کی رنگینی کا نظارہ ہے کتنا دل فریب
ایک کا ہے دوسرے سے رنگ زینت میں فزوں
قرمزی - اودا - سنہرا - لاجوردی - لالہ گوں

دور سے بادل نظر آتے ہیں سونے کے پہاڑ
قصرِ فیروزہ میں آویزاں ہیں یا کُندن کے جھاڑ
پردۂ زرّیں پڑے ہیں گنبدِ افلاک پر
ہلکے ہلکے نور کی بارش ہے فرشِ خاک پر

کوئی در پردہ لبِ بامِ فلک گل ریز ہے
یا فضا رنگینیوں سے سر بسر لبریز ہے
ہلکے گہرے مختلف رنگوں کی ہے کیسی نمود
تختۂ گلہائے زنگار رنگ ہے چرخِ کبود

ساحتِ گردونِ گرداں پر کھلا ہے لالہ زار
ہیں یہ سب کلکِ شعاعِ مہر کے نقش و نگار
کس قدر دلکش ہیں قدرت کے مناظر واہ! واہ
نت نئی آرائشیں ہیں ہر طرف شام و پگاہ

چشمِ بینا ہو تو دنیا شعلہ زارِ حسن ہے
برق اس گلشن کا ہر ذرّہ شرارِ حسن ہے

شمعِ کُشتہ

رات بھر جلوہ فروزِ محفلِ عشرت رہی
بزم میں تیری تجلّی وجہ صد زینت رہی
تیری پروانوں سے شب بھر گرمیِ صحبت رہی
دونوں جانب سے بھڑکتی آتشِ اُلفت رہی

کوئی پروانہ جو گر کر ہوگیا فی النّار بھی
تا سحر ٹوٹا نہ تیرے آنسوں کا تار بھی

رات بھر تو نے مزے لوٹے ہیں سوز و ساز کے
دیدنی تھے رنگ تیری جلوہ گاہِ ناز کے
تجھ سے سیکھے ڈھنگ پروانوں نے ضبطِ راز کے
حوصلے نکلے بقدرِ ظرفِ ہر جاں باز کے

بوسہ لینے جو بڑھا رخسارِ آتشناک کا
تھا نشاں دودِ سیہ اسکے غبارِ خاک کا

لو لگائے تجھ سے ساری رات پروانے رہے
لب پہ جانبازوں کے سوزِ غم کے افسانے رہے
سب شرابِ آتشیں پی پی کے مستانے رہے
جوش میں آپے سے باہر تیرے دیوانے رہے

شعلہ روئی پر تری مٹتے رہے سو جان سے
گرد پھر پھر کر ہوئے صدقے ہزار ارمان سے

جان پر کھیلا کئے تفتید گانِ سوزِ عشق
آگ میں گرتے رہے آتش بجانِ سوزِ عشق
دم نہ مارا جل بجھے گو سرگرانِ سوزِ عشق
ساتھ اپنے لے گئے رازِ نہانِ سوزِ عشق

جوشِ بے تابانہ آخر کار فرما ہو گیا
درمیاں سے پردۂ بیگانگی وا ہو گیا

دونوں جانب سے ہوئے نازونیازِ حُسن و عشق
منکشف ہونے لگے سربستہ رازِ حُسن و عشق

رنگ لائی لذتِ سوز و گدازِ حُسن و عشق ہو گئے یکجاں دو قالب جاں نوازِ حسن عشق
کچھ نہ پروانے کو سوجھا فرطِ غم کے جوش میں
لے لیا تجھ کو تڑپ کر حلقۂ آغوش میں

تا کمر پہنچے جو بڑھ کر گیسوئے لیلائے شب حُسن میں تیرے بڑھی شانِ دل افروزی غضب
تجھ سراپا شعلۂ آتش سے ہو کر لب بلب ہو گیا ٹھنڈا دلِ پروانۂ حسرت طلب
چند ساعت وصل میں جب یوں بسر ہونے لگی
آنکھ جھپکاتے شبِ عشرت سحر ہونے لگی

رات بھیگی۔ اوس نے چھینٹے دیے گلزار پر آ گیا کچھ کچھ عرق تیرے گُلِ رخسار پر
پھر گئی زردی سی روئے مطلعِ انوار پر رات بھاری ہو گئی تیرے دلِ بیمار پر
لاکھ ہاتھوں چھاؤں رکھا اہلِ محفل نے تجھے
پھونک کر اُف کر دیا پر سوزشِ اس دل نے تجھے

پڑ گیا پھیکا فروغِ حسنِ لاثانی تِرا ملگجا سا ہو گیا ملبوسِ نورانی تِرا
چھا گیا محفل میں دودِ سوزِ پنہانی ترا ڈھل گیا سائے کی صورت نورِ پیشانی ترا
دستِ حسرت تیری حالت پر ملے گُلگیر نے
رفتہ رفتہ ساتھ چھوڑا حُسن کی تنویر نے

پردۂ شب اٹھ گیا کھلنے لگے اسرارِ صبح ہو گئی تو سرد پیشِ گرمیٔ بازارِ صبح
عالمِ بالا پہ چمکا مطلعِ انوارِ صبح نیر کی رخصت ہوئی ظاہر ہوئے آثارِ صبح
چرخ پر ڈوبے ستارے چاندنی پھیکی ہوئی
بڑھ چلا نورِ سحر کا نور تاریکی ہوئی

نورِ خور جب زیبِ دامانِ افق ہونے لگا خاکدانِ دہر کا روشن طبق ہونے لگا
تیرے روئے آتشیں کا رنگ فق ہونے لگا عارضِ رنگیں ترا سادہ ورق ہونے لگا
ہستیِ بے بُود آخر دے گئی دھوکا تجھے
کر گیا ٹھنڈا نسیمِ صبح کا جھوکا تجھے

تیرے گُل ہوتے ہی قصّہ مختصر کچھ بھی نہ تھا خواب کا نقشہ تھا سب رنگِ اثر کچھ بھی نہ تھا
کھُل گیا جز بے ثباتی جلوہ گر کچھ بھی نہ تھا رات بھر کی ساری رونق تھی سحر کچھ بھی نہ تھا
شمعِ کُشتہ! تو مجسّم یاس کی تصویر ہے
یا بیاضِ صبحِ پُر اندوہ کی تفسیر ہے "گلدستۂ سخن"

نیرنگ

بھَونرا

طائرِ خوش خبر ہے نام مرا اُلفتِ حُسن ہے پیام مرا
میری بستی ہے پھُول کی خوشبو غنچۂ گُل کی دید کام مرا
وادیِ کوہ سیرگاہ مِری باغ مسکن ہے صبح و شام مرا
نہیں کس گل سے رسم و راہ مِری؟ سب پہ پھیلا ہُوا ہے دام مرا
پھُول پھُولے نہیں سماتے ہیں مُسکراتے ہیں سُن کے نام مرا
جتنے بے کج کلاہ غنچے ہیں جھُک کے لیتے ہیں سب سلام مرا
مانتے ہیں صنوبر و شمشاد سروِ آزاد ہے غلام مرا

بادۂ انس کا نشہ ہے مجھے — مۓ الفت سے پُر ہے جام مرا
حُسن کو ڈھونڈتا ہوں ہر گل میں — ذوقِ دید اس قدر ہے عام مرا

جستجوئے گل است ہستیِ من
ہوشیاری نثارِ مستیِ من

شاہدِ گل کا حُسن جاں پرور — کوئی دیکھیگا مجھ سے کیا بڑھکر؟
ابھی اسکے جمالِ رعنا تک — نہیں پہنچی نگاہِ ذوقِ نظر
ابھی اِس بھینی بھینی خوشبو سے — نہیں مہکا مشامِ بادِ سحر
ابھی اِس پیارے پیارے چہرے کو — نہیں دھویا ہے اوس نے آکر
حال پر عندلیب نالاں کے — نہیں کی اُس نے مُسکراکے نظر
میں ہوں اس حال میں بھی گل سے قریں — ہیں عنایات اِس قدر مجھ پر
ہم نفس ہوں نہیں و محرم ہوں — میری الفت میں اسقدر ہے اثر

حجلہ آرائے خلوتستم من
بزم پیرائے جلوتستم من

دادِ گلگشت دے رہا ہوں میں — محوِ ہر رنگ و ہر ادا ہوں میں
پیار کرتا ہوں جاکے گیندی سے — منہ بنفشے کا چومتا ہوں میں
آنکھ نرگس سے جا لڑاتا ہوں — مائلِ چشم فتنہ زا ہوں میں
لگ چلا ہنس کے سیوتی سے کبھی — کبھی چنپا سے جا ملا ہوں میں
کبھی جوہی سے چھیڑ کر بیٹھا — دل لگی میں کوئی بلا ہوں میں
یاسمن سے ہے میری سرگوشی — موتیا سے سخن سرا ہوں میں

ہے نسیم سحر سے یارانہ — رازدارِ دلِ صبا ہوں میں
دل دُکھاتا نہیں کسی کا کبھی — رہروِ جادۂ صفا ہوں میں
سرِّ خُذْ مَاصَفَا سے واقف ہوں — علمِ دَعْ مَاکَدِر پڑھا ہوں میں

دلم از نور مہر معمور است
رسمِ بیگانگی زمن دُور است — کلام بیرنگ

بشیر ضیائی

ابرِ بہار

گھر کے کالی گھٹائیں آتی ہیں — ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی ہیں
اک مسرت سی ہے ہواؤں میں — اور دیوانگی گھٹاؤں میں
ہر کوئی یہ پکار اُٹھا ہے — "لو وہ ابرِ بہار اُٹھا ہے"
وہ گھٹا کی ادائے مستانہ — چال اس کی وہ ہائے مستانہ
بادلوں نے بہت سی پی لی ہے — اُن پہ مستی سی کوئی مستی ہے
اِس قدر نشہ میں ہیں متوالے — کہہ رہے ہیں یہ دیکھنے والے
"لے کے دنیا پہ نور برسیں گی
یہ گھٹائیں ضرور برسیں گی"
شورِ ہستی سے دور بیٹھا ہوں — پی کے جامِ سرور بیٹھا ہوں
اِک تر و تازہ سبز میداں ہے — جس میں بادِ نسیم رقصاں ہے

ہے یہاں چھیڑ چھاڑ پھولوں سے | اور الجھی وہاں ببولوں سے
ہر کسی کو سناتی پھرتی ہے | لَے میں اپنی یہ گاتی پھرتی ہے
لو وہ ابرِ بہار آیا ہے | موسمِ خوشگوار آیا ہے
بادل آیا سیاہ مستانہ | حسن پر اپنے آپ دیوانہ
لے کے آیا پیامِ رحمت کا | دے رہا ہے سلام رحمت کا

گھر کے ابرِ بہار آیا ہے
موسمِ خوشگوار آیا ہے

دور ندی کے اس کنارے پر | سیلِ امواج سے پرے ہٹ کر
بنسی جوگی کوئی بجاتا ہے | خیر مقدم کے گیت گاتا ہے
موسمِ گل کے بادلو آؤ | آؤ اور آن کر برس جاؤ
دیر سے انتظار تھا مجھ کو | شوقِ ابرِ بہار تھا مجھ کو
میں اسی دھن میں گاتا پھرتا تھا | بنسی اپنی بجاتا پھرتا تھا
حسنِ فطرت کا ہوں میں دیوانہ | شمعِ قدرت کا ہوں میں پروانہ
جنگلوں میں بہار ہو جائے | دشت بھی لالہ زار ہو جائے

قدرتِ کردگار دیکھوں گا
آج میں بھی بہار دیکھوں گا

احسن سمبھی

متوالی کوئل

حسن کا جب آئینہ لے کر پیاری صُبح سنورتی ہے
جب شبنم سے پتّی پتّی مُنہ دھو دھو کے نکھرتی ہے
ٹھنڈی ہوا جب اوس میں ڈوبی ٹھنڈی سانسیں بھرتی ہے
جب پھولوں کی خوشبو پا کر دل کی چوٹ ابُھرتی ہے
تو کیوں او متوالی کوئل "کوکو" "کوکو" کرتی ہے

پچھلے پہر جب اک خاموشی ہر سو چھائی ہوتی ہے
منہ ڈھانکے تاریکی میں بے چاری شبنم روتی ہے
جب فطرت خود نورِ سحر سے شب کی سیاہی دھوتی ہے
جب میں محوِ فغاں رہتا ہوں ساری دُنیا سوتی ہے
تو کیوں او متوالی کوئل "کوکو" "کوکو" کرتی ہے

جب سورج دامانِ شفق میں اپنے منہ کو چھپاتا ہے
جب اک مہوش بام فلک پر اپنی شمع جلاتا ہے
جب ہر تارا روشن ہو کر اپنا حُسن دکھاتا ہے
جب ہر داغ چمک کر دل میں انگارا بن جاتا ہے
تو کیوں او متوالی کوئل "کوکو" "کوکو" کرتی ہے

جب پورب کی سمت سے اُٹھ کر کالی گھٹائیں آتی ہیں
جب آنکھوں کا کاجل بن کر باغوں پر چھا جاتی ہیں
جب بادل سے بوندیں گر کر دل میں آگ لگاتی ہیں
جب مایوس تمنائیں اک دنیا سر پہ اُٹھاتی ہیں

تو کیوں او متوالی کویل "کو کو" "کو کو" کرتی ہے

اے کویل متوالی کویل - کیا تو بھی دُکھیاری ہے
صورت تیری غم کی مورت گویا غم کی ناری ہے
تو کنجوں کی رہنے والی تو باغوں کی پیاری ہے
میرا دل ہے عشق کا مندر، چُپ اَب میری باری ہے

تو کیوں او متوالی کویل "کو کو" "کو کو" کرتی ہے

تو باغوں کی بسنے والی - دھوم تیری کاشانوں میں
کُو کُو تیری سوز میں ڈوبی گونجنے والی کانوں میں
چُپ چُپ - اے جنگل کی دیوی، شور نہ کر ویرانوں میں
ہاں ہاں شور تو وہ کرتے ہیں سوز ہے جنکی جانوں میں

تو کیوں او متوالی کویل "کو کو" "کو کو" کرتی ہے

اے کویل، اے درد کی پتلی بند کر اپنے گانے کو
کوند رہی ہے ہر سو بجلی دل میں آگ لگانے کو
پچھلا پہر - دنیا خوابیدہ - تو آئی ہے ستانے کو
کیا کچھ درد محبّت کم ہے احسنؔ کے تڑپانے کو

تو کیوں اونتوالی کویل "کوکو" "کوکو" کرتی ہے "قوسِ قزح"

آغا شاعر

مرقع نشاط

گلزارِ جہاں رحمت باری سے بھرا ہے قدرت کے قلم کار کا ہر نقش کھرا ہے
جو برگ ہے عکسِ خطِ جوہر سے ہرا ہے آئینہ ہے تصویر کے آگے جو دھرا ہے
کب دیدِ کی طاقت ہوئی تھکنے لگیں آنکھیں
خیرہ ہوئی جاتی ہیں، جھپکنے لگیں آنکھیں

وہ صبح دمِ صبح کی وہ نور فشانی شاداب چمن زار میں نتھرا ہوا پانی
سوئے ہوئے سبزے میں وہ بے پاؤں روانی دیکھا نہیں یوں پرچۂ الماس کو دھانی
سو رنگ سے مضمون سنورنے لگے دیکھو
عکسِ گلِ خورشید اُترنے لگے دیکھو

وہ دستِ سُبک موج کا تھم تھم کے لگانا پھیلے ہوئے دامن کا سمٹتے ہوئے آنا
پھولوں کا اُبھرنا کبھی غنچوں کا لجانا لالے نے دبایا ہے تہِ آب خزانا
اب اِن کے کرشموں پہ نظر غیر کرینگے
منہ دھو کے حسینانِ چمن سیر کرینگے

راحت کے کماں تک شجرِ سبز مزے لیں جنبش میں ہیں شاخیں کہ وہ بیدار ہوں کھیلیں
شبنم بھی تو موجود ہے چھینٹے ذرا دے لیں انگڑائی وہ لی کروٹیں لینے لگیں بیلیں

کیا نا گنیں ہیں شوخیٔ رفتار کے اوپر
بل کھا کے چڑھی جاتی ہیں دیوار کے اوپر
ہیں سُرخ کہیں زرد کہیں پھول ہیں آبی — تصویر سے تصویر نکلنی ہے جو ابی
ڈھلتی ہے سرِ بزم گلابی پہ گلابی — ہیں ڈالیاں لغزش میں کہ ہیں مست شرابی
دِلشاد ہیں سب گود میں غنچے ہیں پری سے
گل بازیاں ہوتی ہیں نسیمِ سحری سے
شورش میں ہیں طائر و رُخ گل کی چمک سے — بکسی ہوئی کلیاں بھی تو اُڑتی ہیں مہک سے
چنگاریاں گرتی ہیں جو غنچوں کی لچک سے — بلبل نے لگا دی ہے نئی آگ چہک سے
نغمے کی صدا جب کوئی منقار سے نکلی
شعلے کی لپک آتشِ گُل زار سے نکلی
مرغانِ چمن کے لئے بلبل کا اشارا — بارود میں گویا کہ پڑا اُڑ کے شرارا
یا تیر تھا۔ جو نعرۂ مستانہ نے مارا — پھر کیا تھا وہ چہکے کہ چمن اُڑ گیا سارا
رہ رہ کے ترنم کی صدا گونج رہی ہے
سُن ہیں در و دیوار ہوا گونج رہی ہے

"گلدستۂ سخن"

خلیق

جھولا

بتانِ شوخ ہوئے ہیں سوار جھولے پر — اُڑا رہے ہیں مزے سے ملار جھولے پر

غضب دکھاتا ہے جوبن اُبھار جھولے پر کہیں ہیں آم کہیں ہیں انار جھولے پر
بہار آتے ہی آئی بہار جھولے پر

چڑھی جو پینگ تو ڈر کر اُچھل گیا کوئی تڑپ کے برق کی صورت نکل گیا کوئی
گرج ہوئی جو گھٹا میں دہل گیا کوئی کسی کا ہاتھ پکڑ کر سنبھل گیا کوئی
بہار آتے ہی آئی بہار جھولے پر

جہان میں حُسن پرستوں کی کھُل گئی تقدیر کہ جھولا جھولنے آئے ہیں سب بُتِ بے پیر
ہوئی ہے شوق میں جھولے کے وصل کی تدبیر کہ پاؤں جوڑ کے بیٹھی ہے چاند سی تصویر
بہار آتے ہی آئی بہار جھولے پر

کسی کی پتلی کمر تھام کر ہلا دینا کسی کے پاؤں اُکھڑتے ہوئے ملا دینا
کسی کو جام میں بھر بھر کے مے پلا دینا کسی کو غنچہ و گُل کی طرح کھلا دینا
بہار آتے ہی آئی بہار جھولے پر

دکھایا عالمِ مستی میں ناچ موروں نے فلک پہ گھیر لیا چاند کو چکوروں نے
برہ کی آگ لگائی جنوں کے زوروں نے جگر کو پھونک دیا پی کہاں کے شوروں نے
بہار آتے ہی آئی بہار جھولے پر

جو ہلکی ہلکی گھٹا سے پھوار پڑتی ہے ستم کشوں کے دلوں پر کٹار پڑتی ہے
بھنور کا زور ہے دریا میں دھار پڑتی ہے امنگِ دل کی چمن میں پکار پڑتی ہے
بہار آتے ہی آئی بہار جھولے پر

ہے پھول والوں کے میلے کی سیر امرّیاں کہ جھولا جھولتے ہیں جوڑ جوڑ کر پیّاں
حسین حسین کے ڈالے ہوئے گلے بیّاں خلیق پھرتے ہیں چھبیلا بنے ہوئے سیّاں

اُردو مرکز لاہور



حضرت امین حزین

بہار آتے ہی آئی بہار جھولے پر

امین

حسن کی رُت

ابر کے پردے میں تھے کوثر و تسنیم نہاں
دھول اُڑتی تھی جہاں منظر جنت ہے وہاں
دھل گئے دامنِ گلشن پہ تھے جو داغِ خزاں
سبزہ بیدار ہے باراں کی مسیحائی سے غنچے کچھ کہنے کو ہیں عاشقِ ہرجائی سے

نونہالانِ چمن جھوم رہے ہیں ہر سو
غنچے ایک ایک کا منہ چوم رہے ہیں ہر سو
سر و مستوں کی طرح گھوم رہے ہیں ہر سو
خود اثر کتنا ہی گلشن میں ہے کیا گردش میں ساغرِ مے ہے۔ نہیں بادِ صبا گردش میں

پتے پتے سے ترنم کی صدا آتی ہے
گوشے گوشے میں کوئی حور چھپی گاتی ہے
نور کا تڑکا ہے نظارہ طلسماتی ہے
سحرِ نغمہ سے مسرت کا جنوں ہے پیدا روحِ بیتاب کے سینے میں سکوں ہے پیدا

حسن کی رُت ہے ہر اک ذرہ میں رعنائی ہے
خود نمائی ہے۔ خود آرائی ہے۔ خود رائی ہے

کثرت جلوہ ہے اور چشمِ تماشائی ہے

اک جہاں حسن میں ڈوبا ہے نگاہوں کیلئے آج فرصتِ دلِ محزوں نہیں آہوں کیلئے

(قوسِ قزح)

اثر صہبائی

ستارۂ صبح

عجیب کیف سے لبریز ہے طلوعِ سحر غریقِ نورِ ازل کائنات کا منظر

فضائے ارض وسما میں عجیب مستی ہے شراب۔ میکدۂ خلد سے برستی ہے

تو ایک کاسہ زرّیں ہے اے ستارۂ صبح فروغِ بادۂ تسکیں ہے اے ستارۂ صبح

تو جلوہ گاہِ بہار جمالِ یزداں ہے تو بارگاہِ رحیم و کریم و رحماں ہے

یہیں سے صبحِ تجلیٰ ظہور کرتی ہے شبِ گناہ کو فردوسِ نور کرتی ہے

یہیں سے لذّتِ ایماں نصیب ہوتی ہے یہیں سے مستیٔ عرفاں نصیب ہوتی ہے

یہیں سے قلب پہ ہوتی ہے بارشِ انوار یہیں سے روح بھی ہوتی ہے محرمِ اسرار

یہ حسن، روح کو ایسا گداز کرتا ہے

خدا سے بندے کو سرگرمِ راز کرتا ہے

غریقِ ظلمتِ طوفانِ بحرِ عصیاں تھا رہینِ کفر تھا، محرومِ نورِ ایماں تھا

شبابِ توبہ شکن کی طلسم کاری تھی کہ دل پہ مستیٔ خوابِ گناہ طاری تھی

وہ مستیاں کہ ہر اک شے سے مے برستی تھی غریقِ بادۂ رنگیں خدا کی ہستی تھی

شہیدِ خواب کو بیدار کر دیا تو نے فروغِ مطلعِ انوار کر دیا تو نے

اُردو مرکز لاہور



جناب عبدالسمیع پال اثر صہبائی بی اے ایل ایل بی

تو ایک جامِ مسرّت ہے اے ستارۂ صبح پیام روحِ محبّت ہے اے ستارۂ صبح!
ترے پیام کی تائید کر رہا ہوں میں وفا کے عہد کی تجدید کر رہا ہوں میں
غریقِ قعرِ مذلّت تھا۔ سربلند ہوں میں کہ بارگاہِ ازل میں نیاز مند ہوں میں
خوشا نصیب! سحر خیز ہو گیا ہوں میں
تجلّیات سے لبریز ہو گیا ہوں میں (قوس قزح)

افسر
نسیمِ سحر

ہنگامِ صبح ناز سے بادِ صبا چلی ہر چار سمت باغ میں کلیاں کھلا چلی
جس پھول کے قریب سے گذری ہنسا چلی سبزہ جو خواب میں تھا اُسے بھی جگا چلی
کلیوں سے چھیڑ کرتی چلی گدگدا چلی ہر گل سے کھیلتی ہوئی باصد ادا چلی
پودوں نے گود میں جو لیا تو پلٹ گئی
شرمائی اور لجائی کٹی اور سمٹ گئی
اک سانس لیکے پھر روشوں سے گذر چلی بے خوف بے ہراس چلی بیخطر چلی
دامن ہزار طرح کی خوشبو سے بھر چلی شبنم سے چھو کے بھیگ گئی تربتر چلی
غنچوں کو چھیڑ چھیڑ کے شرمندہ کر چلی کس ڈھنگ سے چمن میں نسیمِ سحر چلی
اِک کنج میں جو پہنچی تو چکرا کے رہ گئی
بل تو بہت سے کھائے پہ بل کھا کے رہ گئی

پھر کنج سے نکل کے بہت ناتواں چلی　　اور خشک پتیوں کا لئے کارواں چلی
کچھ ٹھنڈے ٹھنڈے سانس بھرے نیم جاں چلی　　بیرونِ باغ صورتِ عمرِ رواں چلی
خاکِ اسفند اُڑی کہ بہت ہی گراں چلی　　یہ کون جانتا ہے چمن سے کہاں چلی

افسرِ صبا ہر ایک کو مسرور کر گئی
کیفیتوں سے روح کو معمور کر گئی

("اخبار اتحاد لاہور")

نامعلوم

یاسمین

تیرہ فامی شام کی اور باغ کا سبزہ اُداس　　یاسمیں نے دیکھ کر اِک پھول روشن کر دیا
چاندنی میں چاند کی خنکی بھی تھی نرمی بھی تھی　　تجھ میں کس گلکار نے رنگِ تبسم بھر دیا

چشم و دل ظلمات ہیں اے پھول اِک سورج ہے تو　　مدتوں تک تری صورت ان میں غوطے کھائیگی
بانٹ دے اپنا اجالا آج تو بیدار ہے　　باغباں کی گود میں کل تجھ کو نیند آجائیگی

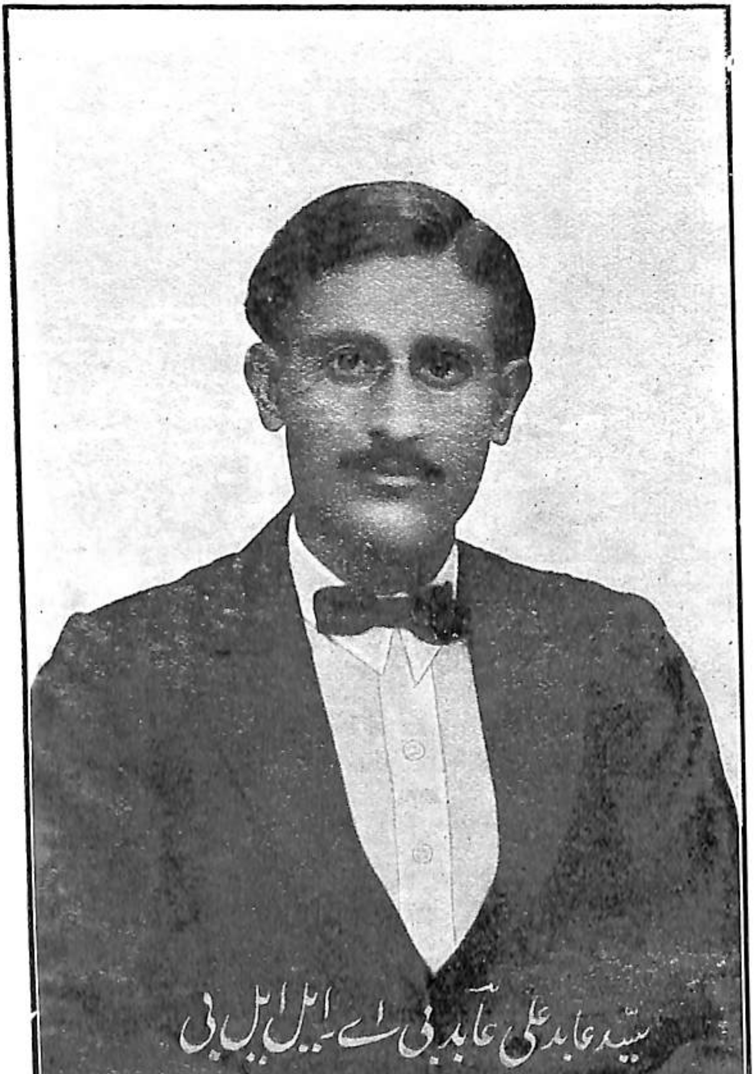
("اردو")

عابد

بہار

عشرتِ بہار کے دورِ زرنگار میں　　بجلیاں تڑپ اُٹھیں خاک رہگذار میں

اردو مرکز لاہور



سیّد عابد علی عابدؔ بی اے۔ ایل ایل بی

پھول غرق ہو گئے نکہتِ تتار میں موتیا مہک اُٹھا صحنِ لالہ زار میں
صحنِ لالہ زار میں موتیا مہک اُٹھا

نزہتِ بہار کے کیفِ بے پناہ سے دل کو اُنس ہو گیا عشرتِ سیاہ سے
مے برس برس پڑی مستیٔ نگاہ سے نور سا جھلک اُٹھا ظلمتِ گناہ سے
ظلمتِ گناہ سے نور سا جھلک اُٹھا

کارواں عیاں ہوا کہکشاں کا دور سے میں اُسے مثال دوں کاروانِ حور سے
بارشِ ضیا ہوئی آبشارِ نور سے آسماں چمک اُٹھا حُسن کے وفور سے
حُسن کے وفور سے آسماں چمک اُٹھا

(اخبار اتحاد لاہور)

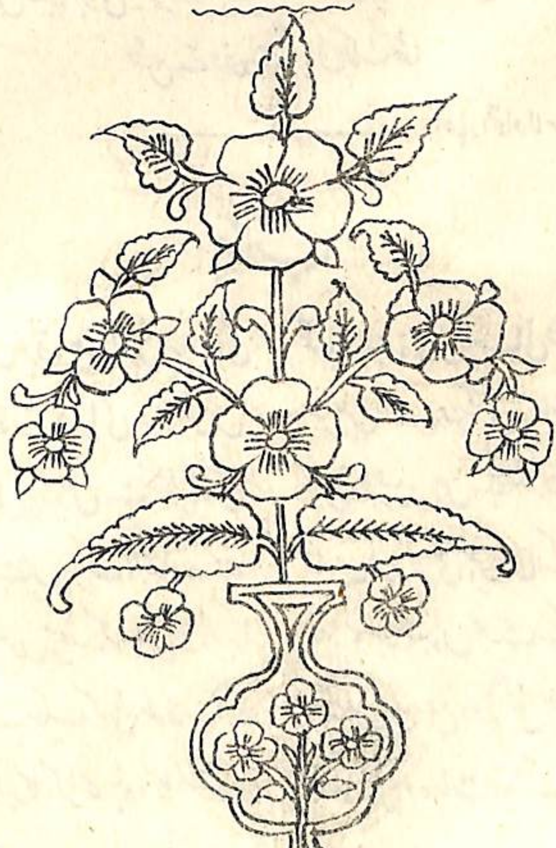
چناب

روحانیت میں غرق ہیں لہریں چناب کی گویا سنا رہی ہیں کہانی شباب کی
یہ شام زرنگار یہ دریا کی لرزشیں جس میں رواں ہے کشتیٔ زرماہتاب کی
اِس صفحۂ جمیل پہ روشن ہے نقشِ عشق اِس منظرِ حسیں میں ہے عشرت شراب کی
نغمے نکل رہے ہیں ہر اک آبشار سے تاریں لرز رہی ہیں کسی کے رباب کی
میں سوچتا ہوں بیٹھ کے سوہنی کا ڈوبنا تعبیر دیکھتا ہوں محبت کے خواب کی
دریا میں یک بیک کوئی طوفان آگیا قطروں میں روح دوڑ گئی اضطراب کی
بجلی کا زور ابر کا کڑکا ہوا کا شور تصویر تھی وہ رات خدا کے عذاب کی

ایسے میں کیوں چناب میں سوہنی اُتر پڑی — کھوئی ہوئی تھی دشتِ وفا کے سراب کی
شاید اسے خیال تھا نہ روک تھام کا — یا عقل کو مجال نہ تھی احتساب کی

گہرائیاں چناب کی ہیں لالہ زارِ حسن — سمٹی ہوئی ہے اس میں ضیا آفتاب کی
لہروں میں ان کی ذہن میں سوہنی کی شوخیاں — روشن ہے ایک شمعِ منوّر شباب کی

(قوسِ قزح)



جگر بریلوی

برسات

آئی برسات پھر جگر آئی | دیدہ و دل نے تازگی پائی
تیرہ و تار ابر چھایا ہے | کیا دُھواں دھار ابر چھایا ہے
نیلگوں آسمان پہ بادل | ایسے پھیلے ہیں جس طرح کاجل
جھومتے فیل مست آتے ہیں | جوشِ مستی سے لڑکھڑاتے ہیں
لغزشیں چال میں ہیں مستانہ | کئے دیتی ہیں دل کو دیوانہ
ابر ہے یا کسی کے گیسو ہیں | خم بہ خم مشک بیز و دل جو ہیں
کبھی کھا کھا کے بل اُلجھتے ہیں | آپ ہی آپ پھر سلجھتے ہیں
پیچ در پیچ اُڑتے پھرتے ہیں | تہ بہ تہ آسماں پہ گھرتے ہیں
مست و مخمور ہو رہی ہے نظر | نشہ میں چُور ہو رہی ہے نظر
ولولے بھر گئے رگ و پے میں | یہ کہاں بات نشۂ مے میں
برق میں بے قراریاں دل کی | اُف رے اُلفت شعاریاں دل کی
مدعائے نظر کہاں پائیں | دل کو ہم لے کے اب کدھر جائیں
ابر کہتا ہے ساتھ چل میرے | آسماں کے لگاؤں گا پھیرے
میں کہ مجبور ہوں کہاں جاؤں | کیوں نہ غم ہی سے دل کو بہلاؤں

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی ہیں | جھولا اشجار کو جھلاتی ہیں

جسم سے لگ کے رنگ لاتی ہیں　　سر میں بنکر جنوں سماتی ہیں

ڈار بگلوں کی اُڑتی پھرتی ہے　　جھیل پر گاہ جا کے گرتی ہے
ہے گھٹاؤں کے ساتھ ساتھ کبھی　　جیسے گیسو میں موتیوں کی لڑی
ہیں پھواریں کہیں کہیں جھالے　　ندّیاں ہیں کہیں کہیں نالے
کہیں بارش کی لگ رہی ہے جھڑی　　کہیں کالی گھٹائیں سر پہ کھڑی
کہیں رم جھم کی لَے سُہانی ہے　　کچھ عجب لوچ ہے روانی ہے
ہلکی ہلکی پھوار گرتی ہے　　یا مئے خوشگوار گرتی ہے
بڑھ رہا ہے سرور آنکھوں میں　　شوق کا ہے ظہور آنکھوں میں
اُف مرے اضطراب کا عالم　　دِل ہے یا ایک لرزشِ پیہم

موسلا دھار ہے کہیں پانی　　جس سے برپا ہے ایک طغیانی
آ کے اِس پر ہوا نے زور کیا　　رعد نے اور گرج کے شور کیا
کیسا ہیجان ہو گیا برپا　　ایک طوفان ہو گیا برپا
یک بیک آسماں پہ توپ چلی　　خیر یارب کہیں گری بجلی

لئے پھرتی ہے بادلوں کو ہوا　　جیسے اِنساں کو خواہشِ دُنیا
کبھی اُتر سے اُڑ کے آتے ہیں　　کبھی دکھن میں جا کے چھاتے ہیں
کبھی پورب میں شکل دِکھلائی　　کبھی پچھم میں چھاؤنی چھائی

ایک دم ایک جا قرار نہیں　　ابر تیرا کچھ اعتبار نہیں

آسماں کا عجیب نقشا ہے　　رنگ ہر دم نیا بدلتا ہے
ہے ابھی تو کدورتوں سے صاف　　ایک دریائے نیلگوں شفاف
وہ گھٹا آئی ہو گیا اودا　　وہ ہوا آئی سُرمہ پھیل گیا
صبح کو اور شام کو کچھ اَور　　کچھ عجب رنگ کے ہیں چرخ کے طَور
شام کو چھائی جب شفق کی بہار　　ہو گیا سارا آسماں گُلنار
کیسا رنگیں فلک کا دامن ہے　　آئینہ وار صحنِ گُلشن ہے

پھٹ پڑا حُسن کوہ و صحرا میں　　جھیل تالاب اور دریا میں
تر و تازہ ہرا بھرا سبزہ　　لہلہاتا ہے جا بجا سبزہ
کِس قدر دلربا ہے ہریالی　　ہے دلہن یا درخت کی ڈالی
کششِ حُسنِ سبز کا یہ اثر　　جم گئی ہے نگاہ سبزے پر

بیل بوٹے نکھر گئے سارے　　پھُول ہیں یاسمیں کے یا تارے
پھُول شاخوں میں زرد رنگ کے ہیں　　یا پیالے مئے فرنگ کے ہیں
تتلیاں اُڑ رہی ہیں گلشن میں　　رنگ کیا کیا بھرے ہیں دامن میں
زرد ہے کوئی کوئی عنابی　　ہے سُنہری کوئی کوئی آبی
سینکڑوں رنگ کے کسی کے پَر　　جن پہ بِکھرا ہُوا ہے سودۂ زر

نرم و خوش رنگ تتلیاں ہیں یہ — یا گلِ تر کی پتیاں ہیں یہ
یا ادائیں ہیں مہ جبینوں کی — یا تمنائیں نازنینوں کی
ناچتی پھر رہی فضا میں ہیں — نہیں معلوم کس ہوا میں ہیں

ہر طرف ہیں سرور کے ساماں — شاد ہیں وحش و طیر و انس و جاں
کیسی کیفیتوں کا عالم ہے — حاصلِ زندگی ہے جو دم ہے
جنگلوں میں جھنگارتے ہیں مور — آہ کس کو پکارتے ہیں مور
دیکھ کر آسمان پر بادل — ہوتے ہیں فرطِ شوق سے بیکل
عاشقی کی ہوا میں بھرتے ہیں — مست ہو ہو کے رقص کرتے ہیں
نہیں آزاد ہونے غیرت سے — ناچتے ہیں مگر متانت سے
کس غضب کی تڑپ صدا میں ہے — درد سا بھر گیا فضا میں ہے
کتنی میٹھی ہے کوک کویل کی — قند ہے یا نبات کی ہے ڈلی
ڈالی ڈالی پہ شور کرتی ہے — کیا حلاوت فضا میں بھرتی ہے
اُف پپیہے نے پی کہاں کہہ کر — رگِ جاں پر چلا دیا نشتر
جسم دل بن کے ایک زخم بنا — ٹیس رگ رگ میں ہو گئی پیدا
جو نشاطیں تھیں آفتیں ہیں اب — سوزِ ہجراں کی کثرتیں ہیں اب
میں ہوں یا ایک سوزِ غم کا ساز — ہر رگ و پے سے آتی ہے آواز
مایۂ زندگی کہاں ہے تو — میں بھی پہنچوں کہیں جہاں ہے تو
تجھ میں دل اور دل میں تو ہی پھر — میری آنکھوں سے کیوں نہاں ہے تو

دور لے جا ہٹا کے اپنی بہار		فصلِ گُل اِک وبالِ جاں ہے تو
ہے کسی مہ لقا کا پردۂ در		آسماں آسماں کہاں ہے تو
پھر بھی آتا نہیں قرار مجھے		دِل میں ہر چند اِک جہاں ہے تو
مرتے مرتے جِلا دیا تو نے		کچھ عجب چیز پی کہاں ہے تو

ضبط کر ضبط کیوں بہکتا ہے
ہوش میں آ جگر کہاں ہے تو		(رسالہ "ہمایوں" لاہور)

پھاگن کا پہلا دِن

نیلگوں ہے آسماں نکھرے ہوئے ہیں مرغزار
دِل پہ چھائی جاتی ہے سرسوں کے پھولوں کی بہار
کھیت میں پھولی ہے السی یار رواں ہے جوئبار
کھِل گیا ٹیسو تو جنگل ہو گیا لالہ نِگار
حورِ جنت کی ہیں آنکھیں یا مٹر کے پھول ہیں
جو تماشائے بہارِ ہند میں مشغول ہیں
کِس ادا سے ناز سے رُک رُک کے چلتی ہے نسیم
ہر قدم پر کیا ہی شوخی سے مچلتی ہے نسیم
عطر میں بس کر گلستاں سے نِکلتی ہے نسیم
جا کے کھیتوں میں نیا پہلو بدلتی ہے نسیم

لہلہاتے ہیں اگر گل چومتی ہیں بالیاں
پاس کے پھولوں کو جھک کر چومتی ہیں بالیاں
اُجلی اُجلی دُھوپ سے کرتی ہیں آنکھیں کسبِ نور
کیا طرب افزا درختوں میں ہے کلیوں کا ظہور
چہچہاتے ناچتے پھرتے ہیں شاخوں پر طیور
کیف آگیں ہے فضا موجِ ہوا موجِ سرور
ذرّہ ذرّہ جوششِ ہستی سے اُف معمور ہے
نشۂ صہبائے دل سے مست ہے مخمور ہے
بور آیا آم میں کوئل بھی آئی لوٹ کر
پھر رہی ہے کُوکتی اِس شاخ سے اُس شاخ پر
پی کہاں کہکر پپیہے نے وہ پھیلایا اثر
شوق سے بیتاب ہیں کیا آدمی کیا جانور
پیکرِ فریاد بنکر بولتا ہے کاگ یہ
یا فضا میں چھڑ گیا ہے دردِ دل کا راگ یہ

اخگر

شکوۂ گُل

دنیا میں میں حسین ہوا کیا غضب ہوا   بربادیوں کا آپ ہی اپنے سبب ہوا

مصروف غم ہوا کبھی محو تعب ہوا　　منّت کشِ نگاہ تلطف میں کب ہوا

شبنم میں اور نہ یہ گہر آب دار ہیں
سوزِ نفس سے لب مرے تبخالہ دار ہیں

بنتا ہوں میں نشانہ ہر اک دیدہ باز کا　　بازیچہ ہوں چمن میں کسی محوِ ناز کا
اختر ہوں میں کہیں شبِ زلفِ دراز کا　　مصرف جدا جدا ہے غرض میرے ساز کا

باغِ جہاں میں مایۂ عیش و نشاط ہیں
خاموشیاں مری سببِ انبساط ہیں

دیکھا نہ یہ کسی نے جراحت ہوں سر بسر　　شبنم سے چشمِ یاس ہے ہر وقت میری تر
نکہت نہیں ہے روح کے یہ لگ گئے ہیں پر　　گر تم کو دیکھنا ہے مری آہ کا اثر

صحنِ چمن میں شیونِ بلبل کو دیکھ لو
ماتم میں میرے گیسوئے سنبل کو دیکھ لو

کیوں کر موافقت ہو نسیمِ سحر کے ساتھ　　ہے اس کو دشمنی میرے زخمِ جگر کے ساتھ
کٹتی ہے عمر اپنی کسی بے خبر کے ساتھ　　وابستہ نفعِ غیر ہے میرے ضرر کے ساتھ

زینت ہوئی وہاں تو کسی کے شباب کی
گل چیں نے مجھ کو توڑ کے مٹی خراب کی

فطرت نے جب چمن میں مرا گھر بنا دیا　　دیوانہ اہلِ دل نے سراسر بنا دیا
جب خوش ہوئے عروس کا زیور بنا دیا　　غمگیں ہوئے تو قبر کی چادر بنا دیا

قصّہ میرا ریاضِ سخنور سے پوچھ لیں
نیرنگِ روزگار ہوں اخگر سے پوچھ لیں　　(ذخیرہ)

ذاکر بازید پوری

چاند

اے نو گلِ باغ دِل ربائی — اے شمعِ بساطِ خوش ادائی
زیور ہے تو عروسِ شب کا — ہے دیدۂ چرخ کا تو تارا
سلپنچے میں نور کے ڈھلا ہے — سورج کی گود میں پلا ہے
تو بزمِ فروزِ اختراں ہے — پرتو ترے رخ کا کہکشاں ہے
افشاں ہیں تری جبیں کے تارے — ہیں تجھ پہ فدا چکور سارے
اونچا سب سے ہے بام تیرا — ہے چرخِ بریں مقام تیرا
عالم پہ محیط ہے ترا فیض — کس درجہ بسیط ہے ترا فیض
چھاجاتا ہے غم کا جب اندھیرا — ہے مشعلِ راہ نور تیرا
ہے دل میں ترے یہ داغ کیسا — دامن میں ہے یہ چراغ کیسا
بتلا تو وہ کون شمع رو ہے — شب بھر تجھے جسکی جستجو ہے
میرا ہی کہیں نہ مہ لقا ہو — تو بھی نہ اُسی کا مبتلا ہو
یہ سچ ہے اگر تو غم ہے اسکا — تو بھی میرا رقیب نِکلا
پھر بھی میں قدرداں ہوں تیرا — بھایا ہے تجھے بھی حُسن اُسی کا
ہے تیری پسند قابل داد — کرتا ہوں تری نظر پہ میں صاد
ہمدرد ہے ہم طریق ہے تو — میرا شبِ غم رفیق ہے تو

سینے سے لگالوں تجھ کو آجا

آنکھوں پہ بٹھالوں تجھ کو آجا (ذخیرہ)

کوئل

اے نوا سنج چمن آئی بہار
کوک تیری پھر دلوں کے ہو گی پار

تیرے دم سے ناز کرتی ہے صبا
لیتی ہے تیری بلائیں جب بہار

تیری آمد کی خوشی میں ہر طرف
ہو رہے ہیں نو بنو نقش و نگار

عطر افشاں سو بسو موجِ نسیم
ہے رواں جوشِ جنوں میں جوئبار

بار ور سر سبز ہر نخلِ چمن
صد گلستاں در بغل ہر شاخسار

طائرانِ خوش بیان گلستاں
خیر مقدم میں ترے مستانہ وار

نغمہ سنج و زمزمہ پرواز ہیں
بیخودی ہر شاخ سے ہے آشکار

صبح کا غم ہے نہ تجھ کو شام کا
تجھ کو ہے آزادیِ لیل و نہار

آہ اے نغمہ طرازِ گلستاں!
میں ہوں نالاں راندۂ شکل ہزار

اس چمن میں غنچۂ دلگیر ہوں
یا کہ نخلِ خشک ہوں بے برگ و بار

آرزوئیں اپنی سب خوں گشتہ ہیں
پرزہ پرزہ ہے گریبانِ قرار

چرخ میرے درپئے آزار ہے
اور مجھ سے ناموافق روزگار

شرحِ ناکامی ہے اپنی داستان
حسرت و حرماں کا دل ہی خارزار

تجھ کو لطف گرمیِ بازارِ حُسن
اور ہے سوزِ دروں میرا اشعار

کنج دلکش ہے ارم خانہ تیرا
اور قیدِ غم میں میری جانِ زار

اب میرے دل کی یہی ہے آرزو — کاش ہو جاؤں میں تجھ سے ہم کنار
شادماں دلکش مناظر سے رہوں — خوشنما آئے نظر ہر شاخسار
خون رلوائے نہ مجھ کو شلِ گل — شامِ غم آئے نہ ہو صبحِ بہار
عالمِ دل بستگی غنچوں میں ہو — پھول میں شانِ تبسّم آشکار
زمزموں میں ہو ہم کیف و سرور — ہو دلِ شوریدہ کو صبر و قرار
ہو لبسا پھولوں سے میرا آشیاں — بیمِ گلچیں ہو نہ خوفِ نوکِ خار

نکہتِ گل کے لئے شام و سحر
میں رہوں مستِ مئے بادِ بہار

(ذخیرہ)



شاعرؔ لکھنوی

دوشیزۂ کوہسار

اُف وہ پونے کے قریں دیہات کوہی کی بہار
وہ پہاڑوں پہ مکاں پہلو میں جن کے آبشار
عصر کے ہنگام کرتی ہیں شعاعیں زرنثار
مہر ہے چوٹی پہ جن کی کوہ ہیں وہ تاجدار

ہیں زمرد پوش گھر آثار سے برسات کے
خلعتِ شاہی کے جوہر ہیں مکاں دیہات کے

کوہ زرپوش "آسماں زرریز" صرصر زرفشاں
ہے ڈلا سونے کا عکسِ مہر سے اِک اِک مکاں
طیر نورِ شمس کا ہے ذرہ ذرہ آشیاں
سنگریزے نجم بنجائیں جو چن لے آسماں

کھینچ لے جذبِ فلک اُنکو جو ہیں چھوٹے ہوئے
یہ ستارے رہ گئے ہیں رات کے ٹوٹے ہوئے

لیکے پائین جبل سے تاکمر وہ گھر پہ گھر
جس طرح پھولوں کے ناندے باغ کی دیوار پر
عشق پیچاں گے ہیں برگ و گل سے رنگیں بام و در
قمقمے بجلی کے بیلوں میں ہیں یا گلہائے تر

دن ہی سے رنگِ شفق نے کی شہابی روشنی
ہے زمرد گوں مکانوں میں گلابی روشنی

وہ فرازِ کوہ سے دامانِ صحرا کی فضا
کھیل سوجھا ہے اُترتی چڑھتی پھرتی ہے ہوا
کوہ سے کچھ دور پر میدان میں ہے چشمہ کی جا
جسکا پانی شہد جس کی موجیں آیاتِ شفا

چشمۂ صافی کو یوں گھیرے ہے سبزہ پاس کا
جیسے مینا کار انگوٹھی پہ نگیں الماس کا

پاس ہیں چشمہ کے چھوٹے قد کی یوں دو چار تاڑ
جیسے مسند کے قریں رکھے ہوئے ہوں سبز جھاڑ
اک کنارے کیطرف ہے مختصر سا اک پہاڑ
جسکے دامن میں ہی چشمہ اہلِ قریہ سے ہے آڑ

ہے مویشی کے لئے پانی پلانے کی جگہ
چشمۂ حیواں نہیں ہر اِک کے آنیکی جگہ

چشمہ کے لب تک ہے سبزہ کوہ دامن دار کا
یہ مکاں ہے منبعِ گل غم نہیں ہے خار کا
ہے یہ جلوہ گاہ اِک دوشیزۂ کہسار کا
چشمہ آئینہ ہے جِسکے چاند سے رخسار کا

پانی گلّہ کو دکھایا سیر ہونے کے لئے
خود بھی آ بیٹھی کنارے پاؤں دھونے کیلئے

سائے میں چھوٹے شجر کے سنگ پر جلوہ کیا
بانسری پہلو میں رکھی ہاتھ سے چھوڑی عصا
تنگ تھی گھٹنہ پہ ساری کی جو بندش اِک ذرا
ہاتھ سے اُلٹا کنارا پاؤں کو پھیلا دیا

گورے گورے پاؤں پانی میں نظر آنے لگے
جو کنول کے پھول تھے چشمہ میں شرمانے لگے

وہ غروبِ مہر کے ہنگامِ جنگل کا سماں
تھیں سنہری دھوپ سے اونچے شجر کی چوٹیاں
شب کے ڈر سے کھیت میں طائر کو رکنا تھا گراں
دانے پر منقار تھی۔ اور آنکھ سوئے آشیاں

شب کی آمد دیکھتی تھیں چشمِ نم کھولے ہوئے
شاخِ گل پر بلبلیں بیٹھی تھیں پر تولے ہوئے

سب سمٹ آئے چراگاہوں کے بھٹکے جانور
لیچلے راعی رعایا کو ہنکا کر اپنے گھر
خود تو جا بیٹھے پرندے آشیانکی شاخ پر
کروٹیں لینے سے اکھڑے ہوئے بازو کے پر

آئے قبضہ میں ہوا کے آشیانہ چھٹ گیا

آشیانہ کیا چھٹا سارا زمانہ چھٹ گیا

بانسری چرواہوں کے سینوں کو برمانے لگی ملکے ٹپیلو کی جنگل میں سنتم ڈھلنے لگی

ذرہ ذرہ سے صدائے الرحیل آنے لگی گنگنا کر نوجواں لڑکی بھی کچھ گانے لگی

حُسن میں ڈوبے ہوئے نغمے اثر دکھلا گئے

جانور سمجھے کہ جنگل میں کنہیا آ گئے

ہے غنی زینت سے وہ فطرت جسے بخشے جمال کب ہوئے آراستہ زیور سے دل آرا نہال

رنگ کی محتاج ہو تصویر کیا ہے کمال خونِ دل خود کھینچ لیں ایسے ہوں سادہ خط و خال

کسقدر ہے سادگی منہ دیکھیے خورشید کا

گرم ہو کر دوڑتا ہے خون رگِ امید کا

اس جوان لڑکی میں بھی ہے حسنِ فطرت کا ظہور گوہری ٹیکے سے بالاتر ہے پیشانی کا نور

مسکراہٹ میں ہے بجلی کی شباہت تو ضرور یہ حیات افزا ہے اور قاتل تھی برقِ کوہِ طور

لن ترانی کیوں ہو یاں چہرہ تہِ دامن نہیں

یہ زمین ہند ہے کچھ وادیٔ ایمن نہیں

ناک میں ضح خزامہ[1] پر وہ ننھا دل جسکا مول جس سے ظاہر ہے کہ عربوں سے رہا ہے میل جول

فرق تک لمبی وہ ساری جو کمر پر آکے گول پردہ دار جوشِ فطرت ترچھے آنچل کا وہ جھول

رنگِ رخ سے ماند پڑ جائے اجالا چاند کا

سادے چہرہ پر وہ آنچل جیسے ہالا چاند کا

---

[1] خزامہ عربی زیور جو گجراتی نتھ سے مشابہ ہوتا ہے۔

کالے کالے تا کمر لٹکے ہوئے ریشم سے بال ایک اک حلقے میں فطرت کے نہاں سو سو کمال
ہر خمِ گیسو میں اُلجھے مدتوں حُسنِ خیال موئے پیشانی کا دیکھو گورے ماتھے پر جال

آنکھ میں شرم آ چکی اب وقت پردہ ٹھیک ہے
کمسنی گھونگھٹ دلھن بننے کا دن نزدیک ہے

حُسن کا ماتھے پہ تارا روئے روشن آفتاب مُسکراہٹ لب کی خلقی آنکھ میں شرم و حجاب
مچھلیاں تھیں اُنگلیاں پاؤں کی چھپ کر زیرِ آب پاؤں کی مٹی کو آنکھوں سے چھڑاتے تھے حباب

شوق کے جذبے حبابوں پر ستم ڈھانے لگے
پائمالی کیلئے کھِنچ کھِنچ کے دل آنے لگے

اِسطرف چشمہ پہ تھی یہ عالم آرائے شباب اُسطرف منہ دیکھنے کو جھک چکا تھا آفتاب
اِس طرف انوار علوی اُسطرف حسن تراب جسطرح اِک شاخ میں ہوں اونچے نیچے دو گلاب

شعلۂ حسن اُسطرف نورِ جوانی اِس طرف
لال پتھر تھے اُدھر سبزہ تھا دھانی اِسطرف

تھی شرابِ حسن بھی چشمہ بھی سبزہ زار بھی وقت وہ جی اٹھیں جس سے عِشق کے بیمار بھی
موج کا ہر خم جوابِ ابروئے خمدار بھی چشمۂ صافی میں عکسِ مہر بھی رخسار بھی

حسرتِ دیدار قطرے قطرے کے سینہ میں ہے
دَورِ خوں کا امتحاں آج ایک آئینہ میں ہے

سنگ کو وہ جانتی تھی اپنا خود مختار راج ڈالتی تھیں پاؤں پر موجیں جولاتی تھیں تاج
جب ہری ڈالیں ہوئیں سایہ فگن بدلا مزاج سبز پتے بن گئے جنگل کی شہزادی کا راج

دھوپ سے پھولوں کے گچھے صرۂ زر ہو گئے

جب ہوا اُسکی گُلِ خودرو نچھاور ہو گئے

دیکھتی تھی وہ ہلا کر پاؤں چشمہ کی بہار
ٹوٹتی تھی بن کے سو سو بار موجوں کی قطار
مہر کا تھا عکس پانی میں کہ قلبِ بیقرار
اسکو حیرت تھی کہ کیوں دل ہی حبابوں کا فگار

چشمِ قاتل میں جو تھا اُس تیر سے واقف نہ تھی
وہ موثر تھی مگر تاثیر سے واقف نہ تھی

پاک و پاکیزہ دلِ معصوم کا تھا ہر خیال
تھی بہار اسکی خوشی فصلِ خزاں اسکا ملال
سرسری چشمہ میں اُس نے اپنا دیکھا تھا جمال
اُسکو کیا معلوم کیا ہے دیکھنے والوں کا حال

فطرتاً تھیں شوخ آنکھیں جستجو کوئی نہ تھی
دل تو تھا پہلو میں لیکن آرزو کوئی نہ تھی

اُسکے گلّے تک تھی بس محدود اُسکے دل کی چاہ
گائے کے بچھڑے پہ کرتی تھی محبت سے نگاہ
عشق تھا بچھڑے کو بھی اسپر ہے پابوسی گواہ
تھی محبت اُسکی دنیا میں مگر بے رسمِ آہ

پاس حیواں کے بھی وہ دل ہی جو گھر ہے یاد کا
کاہے کو انسان آلہ بن گیا فریاد کا

دل سے واقف تھی مگر ناواقفِ دردِ جگر
غیر تو غیر اپنے جذبوں کا نہ لیتی تھی اثر
آچکیں تھیں بڑھ کے زُلفیں دوش سے گو تا کمر
ہائے نادانی نہ تھی اب تک جوانی کی خبر

دل سے کہتی تھی طبیعت میری گھبراتی ہے کیوں
کوئی گر منہ دیکھتا ہے مجھکو شرم آتی ہے کیوں

دل سے کہتی تھی کہ سائے سے جھجک جاتی ہوں کیوں
شاد خلوت سے ہوں کیوں مجمع سے گھبراتی ہوں کیوں
مسکراتا ہے کوئی تو غیظ میں آتی ہوں کیوں
مجھ میں جو باتیں نہ پہلے تھیں وہ اب پاتی ہوں کیوں

شرم کیوں آئی وہ بیباکی مری کیوں کھو گئی
قد کے اونچے ہوتے ہی دنیا نرالی ہو گئی

پہلے زلفیں اسطرح رخسار پر آتی نہ تھیں مست یوں ہوتی نہ تھیں سینے پہ لہراتی نہ تھیں
ہر صدا پر اُٹھکے آنکھیں نیچی ہو جاتی نہ تھیں پتلیاں چل پھر کے ایسی آفتیں ڈھاتی نہ تھیں

چپ تھی وہ۔ دانائے اسرارِ خفی کوئی نہ تھا
کون سمجھاتا کہ شاعر ساولی کوئی نہ تھا ("سبد گل")

برسات

ابر تو سیاح ہے قصہ کوئی اِس سال کہہ ذکرِ عہدِ ہند کر حالاتِ ملک و مال کہہ
تو نے چشم تر سے جو دیکھا ہے وہ احوال کہہ اے ہولئے سرد ٹھنڈی سانس میں کچھ حال کہہ

چھیڑ اِک درکار ہے آنسو بہانے کیلئے
ہم بھرے بیٹھے ہیں رو رو کر رُلانے کیلئے

جستجو کسکی ہے تو کیوں پھر رہا ہے دربدر بیقرار و مضطرب "ناسور دل" شوریدہ سر
چشم تر "آلودہ دامن" دل حزین نوحہ گر کب چھٹ جائیگی۔ کب ٹھہریگا یہ دردِ جگر

تیرے نالوں کا اثر ہے صاحبانِ داغ میں
مور بن میں چیختا ہے اور کویل باغ میں

آہ ای برسات" اُڑائے دیتی ہے کیوں میرے ہوش تجھ کو کسکی جبر گیری نے کیا ہے صبر کوش
کیوں لباسِ غم ہی بر میں کسکے ماتم کا ہے جوش ہے فلک پر تو سیہ پوش اور زمیں پر سبز پوش

اشکِ غم کا اِک سراگردوں پر اِک گلزار میں
تو نے باندھے ہیں زمین و آسمان اِک تار میں
ہم سی کیوں نفرت ہے کیوں بھائے ہیں دشت و در اُسے
جب تجھے ڈھونڈا ملی سوکھے ہوئے چشموں کے پاس
آنسوؤں کی سیل جاری "منہ پہ دامن" بد جو اسے
ہم تو جلتے ہیں اگرچہ بجھتی ہے جنگل کی پیاس
تیرے رونے پر ہنسیں ہم اتنا بےحس دل نہیں
کیا خطا ہم سے ہوئی کیوں ملنے کے قابل نہیں
("سبدِ گل")

صُبح

صُبح کیا ہے اک ادائے مست فطرت کا ہے نام
صبح ہے اِک پیکرِ خمیازہ کش بالائے بام
اِس سُنہری پردے کے پیچھے ہے کوئی لاکلام
قاصدِ ضَو شرق سے لاتا ہے ہم تک یہ پیام
گر تحمّل ہو تو دُہراؤں فسانہ برق کا
دیکھنے والو کہو "پردہ اُلٹ دو شرق کا"
صبح کیا ہے خلقتِ نوری کی اِک تمثالِ نور
ہے جبینِ حُسن پر ٹیکا" کہ تارے کا ظہور
نیلا جوڑا بر میں گویا عزم نشین اہلِ طور
خواہشِ جلوہ نمائی ہم سے لیکن دور دور

اِس طرف آنکھیں کھلیں واں صبح نے اُلٹی نقاب
جس کے دل میں ہو محبت اُسکا بھلے جی کہاں
آنکھ کھلتے ہی پپیہے نے پُکارا پی کہاں
کتبہ ہے نورِ سحر پیشانیِ اقبال کا
منحصر جس پر سنورنا طائروں کے حال کا
صبح کے تارے کو گُل سمجھے ہیں اونچی ڈال کا
اہتمام آمد کا ہے اور شور استقبال کا
راگ سمجھے ہیں حقیقت صبح نغمہ بار کی
ٹُھنک رہی ہے طائروں میں بانسری منقار کی
شب کٹی وہ جس کی ہیبت سے کلیجے میں تھے داغ
نور کا تڑکا کئے دیتا ہے دل کو باغ باغ
صبح کی منّت پذیری سے نہیں پھر بھی فراغ
ڈوبتا تارا ہے گویا آشیانے کا چراغ
یادِ حق ہونے لگی گرہ رگِ دِل کُھل گئی
روشنی میں سبز کونپل کی حمائل کُھل گئی
جذب ہے کوئل کے نالوں میں خموشیِ سحر
صبح کی ٹھنڈی ہوا میں اُڑ رہے ہیں جانور
سعی اپنی ہے جو کسبِ رزق میں مدِّ نظر
دور کے کھیتوں کے ہوتے ہیں نشیمن سے سفر

شبنم درجِ لبِ مشرق نہیں ہے زہر ہے
گریۂ زخمِ جگر پر مسکرانا قہر ہے

وہ فلک شفاف جس پر ابر کا لکہ نہ گرد
وہ ہوائے سرد جس سے ہو چوٹیلے دل میں درد
وہ شفق گردوں پہ شکلِ تختۂ گلہائے ورد
وہ بھبھوکا رنگ جس کے سامنے لالہ بھی زرد

ہستئ اوّل کا ہے جلوہ شگافِ شرق میں
عالمِ زر ہے نہاں گویا شگافِ شرق میں

نباتات اور صبح

آئینہ گر ہے زمانے کے لئے تنویرِ صبح
ذرہ ذرہ کو حیاتِ نور ہے تاثیرِ صبح
جذبِ دل سے ایک اِک پتہ ہے صورت گیرِ صبح
ڈالی ڈالی کے گلے میں لٹکی ہے تصویرِ صبح

سبز پتوں پر جدھر دیکھو سنہرا رنگ ہے
ہر نہالِ پشتِ گیتی خانۂ ارژنگ ہے

پرندوں میں صبح

مشرق میں نجمِ سحر مغرب میں نورِ ماہتاب
ہے اک آئینہ کا گویا ایک آئینہ جواب
تیرگی شب کی صورت جم کے اکھڑا رنگِ خواب

چشمِ عبرت بیں کا کم گیری سے ظاہر راز ہے
حکم سیرِ ارض زورِ بازوئے پرواز ہے

چوپائے اور صبح

صبح کی ٹھنڈی ہوا نے کھول دی چشمِ غزال
کالی کالی آنکھ سے دیکھا فلک کو لال لال
سر اٹھا کر درگہِ حق میں کیا یہ عرضِ حال
اے نگہباں لے رفیقِ دائم الحبس جبال
شب کو پردے میں چھپایا تو نے ہر بیداد سے
صبح کو حافظ تو ہی ہے دیدۂ صیاد سے

پہاڑوں کی صُبح

سب سے زاید ہے اثر گر کوہ پر تاثیرِ صُبح
ہے جِلا گر سینۂ تاریک کی تنویرِ صُبح
ذرّہ ذرہ ہو چکا وابستۂ تقدیرِ صُبح
جیسا جو پتھر تھا اُس نے ویسی لی تصویرِ صُبح
ہے جدھر نجم سحر الماس اسکے بر میں ہے
جسپہ سایہ ہے شفق کا لعل اس پتھر میں ہے
صبح کا جلوہ پہاڑوں میں ہے قدرت کی دلیل
ذرّہ ذرہ سنگ کا ہے نجم بیں شکلِ خلیلؑ
سبز چوٹی کوہ کی ہے مثلِ جناحِ جبرئیلؑ

اُس پہ دھارا نور کا جیسے رواں ہو رودِ نیل
آسماں نیلا "شفق گلگوں" ستارے گل سپید
کوہ کے دامن میں آدھے سرخ آدھے گل سپید

دریا کی صبح

اِک طرف خاموش بہتی نہر اور ساکت سحر — چُپ کھڑا ہے صبح کا نوری فرشتہ کھولے پر
نیند کی متوالی موجیں مست فرشِ آب پر — اتنی ہی کروٹ بھی چھوٹی طول قد کا جسقدر
ہیں ہوائے سرد کی تاثیر پہچانے ہوئے
سو رہی ہیں چادرِ نورِ سحر تانے ہوئے
ناؤ ساحل سے لگی ہے بیخبر ہے ناخدا — ڈگمگاتی بھی نہیں کشتی کہ دھیمی ہے ہوا
شِست کا دل کو نہ ڈر ہے اور نہ غم ہے جال کا — منہ نکالے دیکھتی ہیں مچھلیاں وقتی فضا
وقت ہے رخصت کا دنیا کی تجلی گاہ سے
بحر میں ماہی گلے ملتی ہے عکسِ ماہ سے

دیہات کی صبح

وہ حزیں تعمیر لیکن صاف دیہاتی مکان — صاف دیواروں پہ سُتھری چاندنی کا وہ سماں
صبح ہوتے بام و در ہیں رو کشِ قصرِ جناں — ہیں دھندلکے میں بشر چلتی ہوئی پرچھائیاں
چاندنی میں جو رواں ہے صورتِ اشباح ہے
عالمِ اجساد سارا عالمِ ارواح ہے
منتظر پچھلے پہر سے تھا اسی دم کا کسان — گھر میں بادِ صبح آئی یا تنِ مردہ میں جان
جانتا تھا صبح کا اُٹھنا سعادت کا نشان — اُس طرف آیا جہاں مشتاق تھے سرسبز دھان

کھیت کے ناخواندہ مہماں جانور سب اُڑ گئے
دھان مستانہ ادا سے اسکی جانب مُڑ گئے

شہر کی صبح

سب سے پہلے شہر میں جاگے تھے مشتاقِ نماز   خیط ابیض اور اسود میں ہوئی جب سازباز
صحنِ مسجد میں موذن نے کیا افشائے راز   گوش سے تا دل گیا اللہ اکبر کا گداز
سونیوالوں سے شرف سوز جگر کا کہہ گیا
تھی صدا بجلی حجاب خواب جل کر رہگیا
وا ہوئی چشمِ برہمن بتکدے کا در کھلا   شمع تک بے اذن پروانہ گئی ٹھنڈی ہوا
وقت اوجِ بختِ گل سے رشک سا پیدا ہوا   جنسیت بدلی چراغِ دیر گل ہونے لگا
تھی غرض اپنے بجھے کی کام آئیں تو ہم مسرور ہوں
جلنے والے رات بھر کے کیوں سحر کو دو ہوں

میری صبح

اُف وہ ٹھنڈی صبح گرمی کی میں جب دیوانہ تھا   کوہ کا دامن تھا آب صاف تھا ویرانہ تھا
طائروں کو ناز موسیقی پر استادانہ تھا   صبح کا تارا اُدھر تھا اسطرف پیمانہ تھا
پاؤں دریا میں پڑے تھے اور گلے میں ہاتھ تھا
نام جسکا لے نہیں سکتا وہ ظالم ساتھ تھا
اسطرف پپڑا رہی تھیں اسکے لب کی پپڑیاں   اُسطرف سُرخی شفق کی تھی سر مشرق عیاں
اس طرف چاک گریباں سحر کا تھا نشاں   یاں "کھلی گردن" کے نیچے کی سپیدی کا سماں
ماتھے پر نور شباب اسطرح سے چھایا ہوا

دیکھتا تھا صبح کا تارا بھی للچایا ہُوا

صبح کا دعویٰ تھا اپنی زر فشانی دیکھکر — دلمیں شرمائی اُسے بے مثل و ثانی دیکھکر
آب پانی ہوگئی عارض کا پانی دیکھکر — پست ہمت ہوگئی اُٹھتی جوانی دیکھکر

کھیلنا دریا کی موجوں سے نہ تھا منظور صبح
پاؤں پر سر رکھنے کو اُترا تھا عکسِ نورِ صبح — ("سبد گل")

میر ولی اللہ

نشاط باغ

نشاط باغ کی ہے وہ نظر فریب بہار — کہ جسکو دیکھ کے دل میں خروش پیدا ہو
ہر آبشار کی موجوں سے اور نغموں سے — بہشت دیدہ و فردوس گوش پیدا ہو
وہ اونچے اونچے شجر ہیں کہ سائے میں اُن کے — ہر ایک دلمیں نوائے سروش پیدا ہو
وہ سبز پوش ہے فرشِ چمن کہ مشکل سے — زیادہ اس سے کوئی سبز پوش پیدا ہو
اِدھر وہ پھولوں کا نظارہ سرور انگیز — کہ جس سے طبع فسردہ میں جوش پیدا ہو
اُدھر وہ ڈل کا نظارہ کہ آپ اگر دیکھیں — تو دل میں آرزوئے ناؤ نوش پیدا ہو

پھر اس پہ قہر ہو جب گوشۂ چمن سے کوئی
عدوئے دین و دل و عقل و ہوش پیدا ہو — ("زمانہ")

محمود اسرائیلی

ہلالِ عید

اے ہلالِ عید کشتی فلک ابروئے حور
موج دریائے کرم محرابِ ایوانِ سخا
لذتِ نظّارہ حاصل تجھ سی چشمِ شوق کو
ہر برس جب روئے زیبا اپنا دکھلاتا ہی تو
اب کے تیرے آئینہ خانہ میں جو تنویر ہے
دے رہے ہیں جسکے خط و خال پیغامِ حیات

اے کلیدِ شادمانی جام صہبائے سرور
تارِ گیسوئے زرافشاں ناخنِ حسرت کشا
اور اک کیفِ سکوں میرے دلِ پرذوق کو
اِک بشارت اہلِ دنیا کے لئے لاتا ہے تو
اس میں ہندوستاں کے مستقبل کی اک تصویر ہے
سوئے مشرق ہو رہی ہے گردشِ جامِ حیات

ہو چکے سب سیر گو تیری شعاعِ نور سے
ایک شاعر ہے کہ بیٹھا تک رہا ہی دور سے

(زبان)

کنور الطاف علیخاں

بسنت رُت

ہری ہری جھاڑیوں پہ چڑیاں بسنت کے گیت گا رہی ہیں
نکلتے سورج کی سرخ کرنیں زمین پر جگمگا رہی ہیں
ہوا کے جھونکوں میں بھینی بھینی عجیب لپٹیں سی آ رہی ہیں

مہک رہا ہے تمام جنگل فضائیں خوشبو لٹا رہی ہیں
خوشی کی تالی بجا رہی ہے وفورِ عشرت سے پتّی پتّی
زمرّدیں ڈالیوں پہ کلیاں اِدھر اُدھر مسکرا رہی ہیں
چمک چمک کر مثالِ گوہر بسنتی پھولوں کی پنکھڑیوں پر
یہ اوس کی ننھی ننھی بوندیں عجب بہاریں دکھا رہی ہیں
نگاہ میں جذب ہو رہی ہیں، یہ روح کو گدگدا رہی ہیں
فضا کی اعلیٰ بلندیوں پر شگفتگی مسکرا رہی ہے
نئے شگوفے کھلا کھلا کر زمیں رشکِ جناں بنی ہے
لطیف شبنم کے آب پاکیزہ سے وضو جلد جلد کر کے
نیازِ خالق میں گل بداماں ہر ایک شاخِ شجر جھکی ہے
جوانی انگڑائی لے رہی ہے زمردیں پتیوں پہ گویا
شباب کی ایک شوخ و رنگیں حسین تصویر سی کھچی ہے
بسنتی پھولوں میں چھپ رہے ہیں ہرے ہرے کھیت یا یہ کہئے
عروسِ موسم کے دھانی جوڑے پہ زرد مقیشی لگ رہی ہے
نہیں! کسی خوشنما جبیں پر سنہری افشاں چنی ہوئی ہے
حسین پھولی ہوئی ہے سرسوں صبح جنگل بہار لایا
صبا کی موجوں میں گونجتا ہے بسنت آیا بسنت آیا
طیور کی نغمہ سنجیوں سے بنا ہے صحرا سرود خانہ
درخت وجداں ہیں بیخودی میں وہ مست گانا انہیں سنایا

یہ کون سے مہ جبیں کی آمد میں دستِ فطرت ہے محوِ ساماں
کہ ہر جگہ زرد مخملیں فرش تا بحدِّ نظر بچھایا
نمو کی پُرکیف خلوتوں سے اٹھا دیا پردۂ نظارہ
بسنت آتے ہی فصلِ گل نے تماشۂ رنگ و بو دکھایا
شجر شجر پر بہار آئی، کلی کلی پر شباب چھایا
تمام عالم ہے مست و بیخود عجیب مدہوش کن سماں ہے
زمیں ہے محشر نظارہ تو معصیت کوش آسماں ہے
ہوا کی رگ رگ میں مضطرب ہے بسنت کا حسن جاذبیت
نئی نئی کونپلوں سے موسم کا رازِ رنگینیت عیاں ہے
دُھن ہیں چوتھی کی دولوں گویا فلک گلابی زمیں بسنتی
جہاں کا رنگین یہ نظارہ دھنک کی مانند دلستاں ہے
تجلّیوں سے جہاں چمکا ہوئے سبھی ماہ و مہر پھیکے
جہاتِ ستّہ میں ذرّہ ذرّہ مثالِ خورشید ضَوفشاں ہے
تمہیں بتاؤ کہ باغِ جنّت یہاں نہیں ہے تو پھر کہاں ہے

ضمیمہ

جوشؔ ملیح آبادی

کمسن مالن

آ رہی ہے باغ سے مالن وہ شرماتی ہوئی
مسکرانے میں لبوں سے پھول برساتی ہوئی

فتنۂ دوشیزگی، نازک ادا، کافر جمال
سینکڑوں رفتار کے ہنگام بل کھاتی ہوئی

خوشنما گردن میں اک ہلکا سا خم پیدا کیے
دونوں ہاتھوں سے گھنی زلفیں کو سلجھاتی ہوئی

بوئے کاکل سے چھڑکتی ہر قدم پر عطر سا
نقشِ پا سے ہر روش پر رنگ دوڑاتی ہوئی

پاؤں رکھتی ناز سے شبنم کے قطروں کی طرح
سبزۂ خوابیدہ گلشن کو چونکاتی ہوئی

ہار گردن میں لپیٹے مانگ پھولوں سے بھری
بال بکھرائے جبیں سے رنگ برساتی ہوئی

بار بار آنکھیں دکھاتی، سانس لیتی تیز تیز
باغ کی ٹھنڈی ہوا کے دل کو گرماتی ہوئی

پیار سے رنگین غنچوں پر نگاہیں ڈالتی
رنگ سا اک ۔ بھری آنکھوں سے چھلکاتی ہوئی

شام کے ہنگام دِکھلاتی ستاروں کی نمود
کاکلوں میں سے کرن پھولوں کی جھلکاتی ہوئی

نصف آنکھیں بند کر کے سونگھتی پھولوں کے ہار
رس جوانی کا سیہ پلکوں سے ٹپکاتی ہوئی

ہاتھ لپکا کر گھنی شاخوں سے غنچے توڑتی
آستینوں کو بھرے شانوں پہ مسکاتی ہوئی

کاکلوں سے دیکھنے والوں کی نظریں باندھتی
تازہ ارمانوں کی کلیاں دل میں چٹکاتی ہوئی

پھول آنچل سے بندھے ۔ آنچل پڑا ہے دوش پر
اور آنچل پر سیہ زُلفیں بھی بل کھاتی ہوئی

درد پیدا کر رہی ہیں نغمۂ رفتار میں
دل فسردہ پتّیاں زیرِ قدم گاتی ہوئی

پھول پر ہوتی ہیں پر افشاں کبھی رخسار پہ جھٹ پٹے میں تتلیاں شوخی پہ اِتراتی ہوئی
ہائے کیا گوری کلائی میں ہے کنگن دلفریب ہائے کیا سینے کی ہیکل ہے غضب ڈھاتی ہوئی

کاش پوچھے کوئی اس کا فرادا مالن کا نام
آرہی ہے جوش کے دلکو جو تڑپاتی ہوئی ("زمانہ")

محروم

بادِ بہاری چلی

گلشنِ آفاق میں پھول کِھلاتی ہوئی
ناچتی گاتی ہوئی
جلوۂ فردوس کا رنگ جماتی ہوئی
عطر اُڑاتی ہوئی
بادِ بہاری چلی

سبزہ و گلزار کو کرتی ہوئی شادکام
بھرتی مسرت کے جام
دہر کو دیتی ہوئی دورِ طرب کا پیام
ہنستی ہنساتی ہوئی
بادِ بہاری چلی

غنچے جو لب بستہ تھے اُن کو ہنساتی ہوئی
پھول کھلاتی ہوئی
سبزہ جو خوابیدہ تھا اُس کو جگاتی ہوئی
شور مچاتی ہوئی
بادِ بہاری چلی

دورِ زمستاں میں تھے ولولے جن کے خموش
اب ہیں وہ محوِ خروش
زمزمہ پیرائی کا بھرتی ہوئی اُن میں جوش
وجد میں لاتی ہوئی
بادِ بہاری چلی

صحنِ چمن سے چلی چھیڑتی اشجار کو
برگ و گل و خار کو
وصل کے ایام کا بلبلِ بیمار کو
مژدہ سناتی ہوئی
بادِ بہاری چلی

رنگ بدلتی ہوئی حسن فسوں بار کے
عشوہ دلدار کے
ڈھنگ بدلتی ہوئی عشقِ جنوں کار کے
جوش بڑھاتی ہوئی

بادِ بہاری چلی

اگلی بہاروں کے دن　　یاد دلاتی ہوئی
صبر اُڑاتی ہوئی
پھر دلِ افسردہ میں　　آگ لگاتی ہوئی
درد اُٹھاتی ہوئی
بادِ بہاری چلی

خاطرِ محروم کو　　دیتی ہوئی اِضطراب
کشمکش و پیچ و تاب
صبر کو آرام کو　　کرتی ہوئی وقفِ خواب
فتنے اُٹھاتی ہوئی
بادِ بہاری چلی　　"زمانہ"

پنجاب کے میدان

کس قدر ہے آہ! دامنگیرِ دل تیری زمین
دلکشی پنجاب کتنی تیرے میدانوں میں ہے
تیری وسعت میں ہوئی گم رفعتِ چرخِ بریں
ایک ایوانِ فلک بھی تیرے ایوانوں میں ہے

دُور تک آتی نظر ہیں لہلہاتی کھیتیاں
سامنے جن کے خجل ہے کشتِ خضرائے فلک
اور چاندی کی چمک والی یہ تیری ندّیاں
کہکشاں ایسی اگر رکھتا ہے دکھلائے فلک

~~~~~~

دیدہ و دل جس سے روشن آریاؤں کے ہوئے
آج بھی تیری فضاؤں میں جھلکتا ہے وہ نور
نغمۂ مستانۂ توحید کی تاثیر سے
آج بھی تیری ہواؤں سے ٹپکتا ہے سرور

~~~~~~

عاشقی پرور سماں تیری چراگاہوں میں ہے
یاد جس سے تازہ ہے رانجھے کی اور مہینوال کی
اور غبار ایں سا جو منظر دشت کی راہوں میں ہے
خاک اُڑتی ہے یہ عشاقِ پریشاں حال کی

~~~~~~

دِل تڑپ اُٹھتا ہے پہلو میں یکایک جب کہیں
بانسری کی کوک اُٹھتی ہے سکوتِ شام میں
مائل فریاد ہوتا ہے دلِ اندوہگیں
اور جگر سے ہوک اُٹھتی ہے سکوتِ شام میں
~~~~~~

کچھ خیاباں بہرِ گلگشتِ بُتانِ نازنیں
کچھ بیاباں دشت پیمایانِ وحشت کے لئے
بلبل و گل کی ہے خلوت گاہ تیری کُل زمیں
بزمِ زیبا اختلاطِ حُسن و اُلفت کے لئے

حسن و اُلفت ہی نہیں ہے تیری شانِ امتیاز
کون سا میداں ترا ہے جو نہیں میدانِ جنگ
جذبۂ حبِّ وطن پر خاک کو تیری ہے ناز
سورماؤں کے لہو سے آجتک ہے لالہ رنگ

فصلِ بہار

مژدہ اے دیدۂ تماشائی حسنِ فطرت ہے وقفِ رعنائی
صحنِ گلشن میں پھر نظر آئی غنچہ و گل کی محفل آرائی
پیکرِ ناز بُوٹا بُوٹا ہے
حُسن کیا کیا زمیں سے پھُوٹا ہے
نہیں نرگس پہ خواب کی مستی بلکہ یہ ہے شباب کی مستی
واہ ! بوئے گلاب کی مستی "ہے ہوا میں شراب کی مستی"
ذوقِ مستی سے کے لے تمنائی

"بادہ نوشی ہے بادپیمائی"

خندۂ صبح ہے بہار آمیز جلوۂ شام ہے نشاط انگیز
شب کو مہتاب ہے تبسّم ریز جس سے بحرِ جنوں ہو طوفاں خیز

اُف! یہ لیل و نہار کا عالم
اس پہ جوشِ بہار کا عالم

جوشِ گل سے جہاں ہوا رنگیں دامنِ چرخ جا بجا رنگیں
دشت و صحرا کی ہے فضا رنگیں نغمۂ مرغِ خوشنوا رنگیں

ہیں یہ رنگِ بہار کے جلوے
صنعتِ کردگار کے جلوے

یہ دمِ صبح عطر بارِ نسیم نفسِ شاہدِ بہارِ نسیم
سحر پرور، فسوں شعارِ نسیم گُل و بلبل کی راز دارِ نسیم

اس سے ٹھنڈا جگر کسی کا ہے
اور دلِ آگ پر کسی کا ہے

حُسن اسی فصل میں نکھرتا ہے عشق اسی دور میں اُبھرتا ہے
صُورتِ گل کوئی سنورتا ہے پیرہن کوئی چاک کرتا ہے

کر ہی دیتی ہے آہ! یہ رُتے بہار
آرزوہائے خفتہ کو بیدار

آمدِ گل کا ہمکو کیا احساس دل ہے پہلو میں کب سے کشتۂ یاس
یہ جو نالے ہیں زینتِ قرطاس ہے فقط اپنی شاعری کا پاس

ورنہ ہم کو خزاں بہار ہے ایک
برگِ گل اور نوکِ خار ہے ایک
("ہمایوں")

امین

جگنو

عکسِ جبینِ زہرہ ہے! یا خود ستارہ ہے! دلکش نظارہ ہے!
پرّاں ہے شب چراغ کوئی، یا شرارہ ہے! یا برق پارہ ہے!

....

طورِ چمن پہ نورِ تجلّی، ہے جلوہ گر! رقصاں ادھر ادُھر!
مثلِ حکیم اہلِ نظر کو اشارہ ہے! کیا پیارا پیارا ہے!

....

ہے آہِ آتشیں کسی حرماں نصیب کی! عاشق غریب کی!
یا حسنِ خشمگیں کے غضب کا شرارہ ہے! رنج گوارا ہے!

....

روحیں نل اور دمن کی یہیں ہمکنار ہیں! بے اختیار ہیں!
یہ اتصالِ برق لبی کا شرارہ ہے! دعوےٰ ہمارا ہے!

(قوسِ قزح)

برق دہلوی

تارے

دیدنی شام کے نظارے ہیں   زینت افزائے چرخ تارے ہیں
آتشیں پھول پیارے پیارے ہیں   ضو فشاں نور کے شرارے ہیں

اِن کی کچھ شان ہی نرالی ہے
نہ ہوں تارے تو رات کالی ہے

تابشِ انجم فروزاں ہے   کہ شبِ تار جلوہ ساماں ہے
چرخ پر عالمِ چراغاں ہے   گنبدِ نیلگوں درخشاں ہے

تیرگی میں ہے نور کا عالم
جلوہ برقِ طور کا عالم

نظر افروز شب چراغ ہیں یہ   یا مے نور کے ایاغ ہیں یہ
سینۂ آسماں کے داغ ہیں یہ   فرح بخش دل و دماغ ہیں یہ

چرخ پر قمقمے سے روشن ہیں
یا دیئے بے نیاز روغن ہیں

کرۂ نار پا بجولاں ہیں   اپنے محور کے گرد رقصاں ہیں
شام سے تا سحر فروزاں ہیں   رات بھر خلق کے نگہباں ہیں

رہنما ہیں جہاز رانوں کے
تارے آنکھوں کے ہیں کسانوں کے

ہجر میں مبتلائے صد آفات　　تارے گن گن کے کاٹتے ہیں رات
ان کے حق میں ہیں یہ چراغِ حیات　　آنکھوں آنکھوں میں پوچھتے ہیں بات

دور سے دیکھتے ہیں بیامِ سکوت
یہ ہیں دمسازِ تشنہ کامِ سکوت

کہکشاں ہے کہ جادۂ زرّیں　　یا فلک پر ہے جدولِ سیمیں
تابش افزا ہے جلوۂ رنگیں　　بہرِ گردوں ہے مایۂ تزئیں

اسکی صنعت کے نقش سارے ہیں
مہر و مہ کہکشاں کہ تارے ہیں

"زمانہ"

بہارِ شفق

ہے جلوۂ بہارِ شفق آسمان پر　　صہبائے سرخ یا یہ خمِ نیلگوں میں ہے
پردے سے مہر جلوہ فگن ہے جہان پر　　یا برق بے قرار تڑپ کر سکوں میں ہے

لایا ہے رنگ خونِ شہیدانِ نامراد　　یا آگ لگ رہی ہے کسی لالہ زار میں
یا مشتعل فرشتوں میں ہے آتشِ فساد　　یا جوشِ کارزار ہے یہ نور و نار میں

کیا آسماں کو لعل لگے ہیں خدا کی شان　　پھیکا ہے جن کی آب سے رنگِ گلابِ سرخ
یا ہے نظر کو شعلۂ جوّالہ کا گمان　　یا دامنِ فلک پہ گری ہے شرابِ سرخ

لالے کے پھول دامنِ چرخِ بریں میں ہیں — یا معدنِ عقیق کی ضَو ہے نظر فروز
یا پارہ ہائے آتشِ گل گلزمیں میں ہیں — بامِ فلک پہ ہے کرۂ نار جلوہ سوز

("اخبار اتحاد لاہور")

ستارۂ صبح

ضیا فروزِ سرِ چرخ ہے ستارۂ صبح — نشانِ محفلِ انجم ہے ماہ پارۂ صبح
اسے نصیب کہاں فرصتِ نظارۂ صبح — فسردہ ہونے کو چمکا ہے یہ شرارۂ صبح
ملی ہے ہستی بے بود نیست ہونے کو
کہ آنکھ کھولی ہے خوابِ عدم میں سونے کو

شب گذشتہ کے جلووں پر اشکبار ہے یہ — اُداس صورتِ شمع سرِ مزار ہے یہ
خزاں نصیب کوئی غنچہ بہار ہے یہ — نظر کو پیرہنِ نور میں بھی خار ہے یہ
چراغ کشتہ ہے بامِ سپہرِ اخضر پر
یہ داغ ہے فلک نیلگوں کی چادر پر

نمودِ صبح سے گل ہو گئے چراغِ نجوم — نسیم سرد کا جھونکا تھا موجِ بادِ سموم
طلسم زینتِ لیلائے شب ہوا معدوم — عیاں شفق سے ہے نیرنگِ دہر کا مفہوم
اِس انقلاب کی ہے یادگار اختر صبح
برنگِ اشک ہے بے آب و تاب گوہر صبح

تپ الم سے ہے فق رنگ روئے رنجیدہ — ہے مانند صورتِ یاقوت ناتراشیدہ
سحر کے جلوے ہیں مشرق میں نیم خوابیدہ — یہ ڈالتا ہے انہیں پر نگاہِ دزدیدہ

پیامِ نور کے تڑکے سحر کا لایا ہے
نویدِ مقدمِ خورشید دینے آیا ہے

"زمانہ"

جگر (بریلوی)

کیفِ برشگال

(برسات)

ہوائیں ٹھنڈی ٹھنڈی ہیں گھٹائیں کالی کالی ہیں
عجب کیف آفریں ایامِ فصلِ برشگالی ہیں
ہوئی بارش تو سب نے گردنیں اپنی جھکالی ہیں
شجر ہیں یا کسی فیاض کے آگے سوالی ہیں
ہزاروں تتلیاں ہیں اور کیا کیا رنگ والی ہیں
سنہری صندلی اودی کپاسی زرد کالی ہیں
چھٹی پڑتی ہیں شاخیں بارِ فیضِ ابرِ باراں سے
یہ بوندوں کے بندھے ہیں تار یا عقدِ لآلی ہیں
گھٹائیں دیکھ کر کیوں دل ہوا جاتا ہے دیوانہ
کسی نے کھول کر زلفیں مگر شانوں پہ ڈالی ہیں
یہ بگلوں کی قطاریں اڑتی پھرتی ہیں گھٹاؤں میں

کہ مستوں نے خوشی میں پگڑیاں اپنی اچھالی ہیں
یہ بارش ہو رہی ہے یا زمیں پر مَے برستی ہے
یہ بادل ہیں کہ خمہائے شرابِ پرتگالی ہیں
اُڑا کر لے گئی بادِ صبا سب نشۂ صہبا
زمیں کے مَیکدے کیفیّتوں سے آج خالی ہیں
جدھر دیکھو اُدھر سبزہ ہی سبزہ لہلہاتا ہے
نگاہیں ہو گئیں شاداب جس جانب بھی ڈالی ہیں
نکل آئی ہیں سینوں سے امنگیں تتلیاں بنکر
دلوں کی آرزوئیں خوفِ ناکامی سے خالی ہیں
گلستاں پر نظر کرتے ہوئے کیا دِل لرزتا ہے
کہ ہر گل کی ادائیں جانِ شیریں لینے والی ہیں
ابھی مُنہ بھی نہیں ان کو دیا قدرت نے اے بھونرے
نہیں اچھی ابھی یہ چھیڑ کلیاں بھولی بھالی ہیں
مُنادی پھیر دی کوَیل نے سیرِ عامِ گلشن میں
دلوں کی حسرتیں ممنونِ فرمانِ بحالی ہیں
سمجھ رکھا ہے وہ بھی سیرِ گل کو گھر سے نکلیں گے
ہماری آرزوئیں ہائے کیسی بھولی بھالی ہیں
پپیہے کی فغانِ درد ہے یا کوئی نشتر ہے
دلِ غمگیں کی جس نے آہ چوٹیں چھیل ڈالی ہیں

چنبیلی سروِ خوش قامت کی شاخوں سے یہ لپٹی ہے
کہ رادھا نے کنھیا کے گلے میں باہیں ڈالی ہیں
چمن کو دیکھ کر حُسنِ ازل کا کھچ گیا نقشہ
دلِ گمراہ نے اپنی مرادیں آج پا لی ہیں
ڈھلا سورج تو پانی بھر گیا سونے کا سبزے پر
سُنہرے بیل بوٹے پرتوِ شانِ جلالی ہیں
شفق آلودہ ٹکڑے بادلوں کے ہیں کہ اے ساقی!
شرابِ ارغواں کی کشتیاں تو نے نکالی ہیں
یہ دو قوسِ قزح ہیں جلوہ فرما بامِ گردوں پر
فلک نے رام لچھمن کی کمانیں یا نکالی ہیں
بچھی جاتی ہے فطرت رونقِ شامِ نگاریں پر
گُل و برگ و شجر وارفتہٴ شانِ جمالی ہیں
بدلتی ہیں ہزاروں رنگ کس کی سحر سازی سے
یہ رنگیں بدلیاں ہیں یا تصاویرِ خیالی ہیں
کہاں کی فکرِ دنیا کس کو فرصت دشت گردی ہے
دل و جان و جگر رہن، مزاج لاابالی ہیں
غمِ ہستی بھلا کر مست و بیخود ہم کو رکھتی ہے
جگرؔ ہم تو پرستارِ بہارِ بے مثالی ہیں

(رسالہٴ ہمایوں لاہور)

کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس واقع ایبٹ روڈ لاہور میں باہتمام بابو گوراندتا مل چھپی